UNIVERSAL LIBRARY
OU_226605
UNIVERSAL LIBRARY

سلسلۂ آصفیہ

پیامِ امن

اسباب جنگ و تدابیر امن پر عقل و نقل، فلسفہ و مذہب کی روشنی میں محققانہ بحث
ایک فرنچ فلسفی کے خیالات کی ترجمانی، بہ اضافۂ تبصرہ، حواشی و ضمیمہ جات،

از ۱۱۰

عبدالماجد بی، اے

مصنف، فلسفۂ جذبات وغیرہ

باہتمام مسعود علی ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

ت عہ طبع اول ملنے کا پتہ: دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
دیباچہ	۱ - ۳
مقدمہ (از ٹیگور)	۴ - ۱۱
ترجمۂ کتاب	
حصہ اوّل	۱۲ - ۴۴
باب (۱) نشۂ شب	۱۲ - ۱۵
باب (۲) خمار صبح	۱۶ - ۲۰
باب (۳) حقائق فردا	۲۱ - ۲۶
باب (۴) آہِ مظلوماں	۲۷ - ۳۱
باب (۵) شام حسرت	۳۲ - ۳۸
باب (۶) صبح سعادت	۳۹ - ۴۴
حصہ دوم	۴۵ - ۸۶
باب (۱) قانونِ اقوام	۴۵ - ۵۰
باب (۲) فریضۂ اقوام	۵۱ - ۵۷
باب (۳) ترقی اقوام	۵۸ - ۶۴
باب (۴) حقوقِ اقوام	۶۵ - ۷۱

مضمون	صفحہ
باب (۵) امن عالم	۷۲ - ۷۹
باب (۶) بیداری روح	۸۰ - ۸۶
تبصرہ از مولف	
باب (۱) امن کا مفہوم	۸۷ - ۹۲
باب (۲) نقض امن کے اسباب	۹۳ - ۱۰۰
باب (۳) اہل تدبیر کی واماندگیاں	۱۰۱ - ۱۱۱
باب (۴) نسخۂ شفا	۱۱۲ - ۱۲۹
باب (۵) مسیحیت اور امن	۱۳۰ - ۱۴۱
باب (۶) اسلام اور امن	۱۴۲ - ۱۵۸
باب (۷) اسلام اور صبر	۱۵۹ - ۱۷۴
ضمیمہ جات از مولف	
ضمیمہ (۱) اعداد و نقصانات جنگ یورپ	۱۷۵ - ۱۷۸
ضمیمہ (۲) یورپ میں بے روزگاری	۱۷۹
ضمیمہ (۳) مصارف تصفیہ صلح	۱۸۰ - ۱۸۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مسیو پال ریچرڈ، زمانہ حال کے ایک ممتاز فلسفی، اہل قلم، وصاحب فکر و بصیرت ہین، وطن فرانس ہے، ابتداءً وہین متعدد کتابین شایع کین، اس کے بعد مشرق کا سفر اختیار کیا، جاپانی و ہندی تمدن، معاشرت، و علوم سے دلچسپی شروع سے تھی، جاپان کے سفر متعدد بار اختیار کیے، ہندوستان آکر یہان کے مایۂ ناز فلسفی و درویش آربندو گھوش کی صحبت سے خاص طور پر متاثر ہوئے، چنانچہ موصوف ہی کی معیت مین پانڈیچری (صوبۂ مدراس) مین مستقل سکونت اختیار کرلی، اور موصوف کے ماہوار فلسفیانہ رسالہ آریہ کی تہذیب و ادارت مین شریک ہوگیے،

عین دوران جنگ مین ایک کتاب اقوام عالم کو مخاطب کرکے شایع کی جسکا نام انگریزی مین "ٹو دی نیشنس" ہے جسکا صحیح لفظی ترجمہ "الی الاقوام" ہوسکتا ہے، خیالات مین وطن دوستی کے بجائے عالم دوستی غالب ہے، اپنا وطن بجائے کسی خاص ملک کے سارے روئے زمین کو بتاتے ہین، اپنا ہموطن بجائے کسی خاص ملک کے باشندون کے

کل نوع انسان کو سمجھتے ہین، جنگ کے قطعی دشمن ہین، قتل و خون ریزی کو ہر حال اور ہر صورت مین (خواہ وہ محض تعزیرًا و معاوضتہً ہو) ناجائز قرار دیتے ہین، آزادی ہر قوم کا فطری حق مانتے ہین، جدید تمدن اور اس کے لوازم (مادیت، نقدان روحانیت، زرپرستی، نظام سرمایہ داری وغیرہ) کے سخت مخالف ہین، ان تمام خیالات کا اظہار اس کتاب مین جابجا کیا ہے تصنیف کا مقصد اصلی متحاربین کو جنگ سے روکنا، اور مستقل و پائدار صلح کی جانب دعوت دینا تھا، اس دعوت کو سب پر مقدم رکھا ہی،

سنہ۱۹۱۷ء مین کتاب کی اشاعت امریکہ مین ہوئی، رابندر ناتھ ٹیگور نے مقدمہ لکھا۔ دورانِ جنگ مین اس پیامِ صلح کا ہندوستان پہنچنا دشوار تھا، جاپان و امریکہ کی ڈاک پر سخت احتساب سرکاری قائم تھا، ایک عرصہ کے بعد کتاب ہندوستان آئی، اسکا ترجمہ (گو لفظی نہین) صفحات آیندہ مین پیشکش ہے،

مسودہ سے آغاز سنہ۱۹۲۰ء مین فراغت ہوگئی تھی، اشاعت کی نوبت سنہ۱۹۲۲ء کی آخری سہ ماہی مین آرہی ہے، ساڑھے تین سال کی مدت مین کیا کیا موانع پیش آتے رہے اسکی تفصیل نہ راقم سطور کے لیے خوشگوار ہوسکتی ہی نہ ناظرین کے لیے ضروری ہے،

مجھے خود بھی اس بحث پر بہت کچھ کہنا تھا سب کہنے کی گنجائش تو نہ نکل سکی، البتہ اہم تر عنوانات پر تبصرہ مین کچھ عرض خیال کیا ہے، آخر کے تینون ضمیمے بھی اصل کتاب مین نہ تھے مین نے ان معلومات کا اضافہ کردینا بہتر خیال کیا، کتاب کے نام مین بھی اصل کی پابندی نہین کی، بلکہ محض مفہوم کو لے کر پیام امن نام رکھا، اس تغیر و اضافہ کے

کے ساتھ اگر اس مجموعۂ اوراق کو محض ترجمہ کے بجائے تالیف سمجھا جائے تو شاید واقعیت کے زیادہ خلاف نہ ہو،

بعض مسائل مین مجھے جناب مصنف سے اختلاف ہی، مثلاً یہ کہ وہ قتل کو بہرصورت وبہرحال ممنوع قرار دیدینا چاہتے ہین، میرے نزدیک شاذ صورتون مین قتل جائز اور شاذتر صورتون مین واجب ہوجاتا ہے، دنیا مین قتل سے بھی بڑھکر ایک لعنت فتنہ، فساد وبدامنی کی ہے جو سرے سے حیات اجتماعی کی بیخ کن ہی، اگر اس کے روکنے کی کوئی صورت بجز قتل کے نہ نظر آئے، تو ایسی صورت مین قتل وقتال ایک اخلاقی فرض ہوجاتا ہے، البتہ یہ مخصوص صورت نادراً پیدا ہوتی ہے اور اس آخری حربہ کے استعمال سے پیشتر تمام امکانی تدابیر کا کافی تجربہ کرلینا چاہیے، اسلام نے بھی جو دنیا کے لیے بجائے خود ایک مستقل وابدی "پیام امن" ہے، فتنہ وفساد کی معصیت کو قتل سے شدید تر قرار دیا ہے، وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقر- ع ۲۴) وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (بقر ع- ۲۷) اور قتال کی غایت محض دفع جور، وبدامنی ارشاد کی ہے، وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (بقر- ع ۲۴) اسی طرح بعض اور مسائل مین بھی مصنف کے قدم کو جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا پاتا ہون لیکن بہ حیثیت مجموعی اس کے اقوال اس قدر صحیح، صائب ودلپذیر ہین، کہ اردوخوان جماعت کو ان سے محروم رکھنا ایک فرض فراموشی تھی،

عبدالماجد | ستمبر ۱۹۲۳ء
دریاباد- بارہ بنکی

مقدمہ

از، رابندر ناتھ ٹیگور

اقوام زندہ ہستیان ہین، ہر قوم اپنی ایک مستقل وجداگانہ شخصیت رکھتی ہے، یہی سبب ہے کہ جرمن و فرنچ قومین باوجود ایک دوسرے کے ہمسایہ ہونے اور بہت سی نسلی خصوصیات مشترک رکھنے کے باہم امتیازات بھی رکھتی ہین، جو کسی طرح نظر انداز کیے جانے کے قابل نہین، لیکن حکومتون پر زندہ ہستیون کا اطلاق نہین ہو سکتا، وہ محض نظامات قوت ہوتی ہین، یہی باعث ہی کہ ان کے خصوصیات مادی و نفسی سب جگہ یکسان ہوتے ہین، اور اُنمین جو کچھ فرق ہوتا ہے، وہ فرق صرف مدارج قوت کا ہوتا ہی، اگر کبھی اتفاقات سے، انسانی شخصیت کو نشو ونما پانے اور برگ و بار پیدا کرنیکا موقع مل گیا، تو حکومت کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے، اور قوم کو تکملہ حیات کا موقع مل جاتا ہی، لیکن جہان کہین مادی نظامات کی جکڑ بند بالکل مکمل ہوئی، وہان حکومت ہی کا بول بالا رہتا ہے، دنیائے موجودہ مین قومونکی زندہ روح اور حکومت منضبط کے طریق کار کے درمیان کشمکش برابر جاری ہے، اور یہ جنگ بالکل اسی طرح کی ہے جیسے ایشیا متوسط مین انسانی آبادی اور صحرا اور ریگستان کے حدود کے درمیان ہوئی تھی اور جسکا نتیجہ یہ ہوا، کہ بالآخر انسانی آبادی و رونق کا وجود مٹ گیا، اسی طرح جب انسانیت کے بلند اصول پس پشت ڈال دیے جاتے ہین، تو نظام حکومت کی آہنی گرفت، شدت و تکمیل کو

پہنچنے لگتی ہے، تاآنکہ کچھ روز کے لیے وہ فخریہ اپنے تئین سب سے قوی، اور قیام و بقا کے لیے "اصلح" قرار دینے لگتی ہے۔

لیکن اسکا بقا، انسان کے اُس حصہ کا بقا ہے جس مین زندگی سب سے کم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ حکومت کی لاکھ توسیع ہو، تنوع و تازگی جو زندگی کے آثار ہین، کہین نہ ملین گے، بلکہ انکے بجائے ہر جگہ یکسانیت دیکھنے کو ملے گی۔ چنانچہ آج جو شہر بڑی بڑی حکومتون کے مظہر ہین، مین فرانسسکو سے لندن، اور لندن سے ٹوکیو تک، سب ایک نمونہ کے، اور ایک قالب مین ڈھلے ملین گے، انکے چہرہ کہین نہ دکھائی دین گے، ان پر نقاب پڑے ہوئے ملین گے،

اقوام، بہ حیثیت زندہ اشخاص کے اپنے اظہار مدعا کے بھی طریقہ رکھتی ہین، اور اس طرح وہ متعدد چیزین خلق کرجاتی ہین، یہ تخلیقات کیا ہین؟ علم و فن، حکمت و ادب، اور آداب معاشرت و رسوم، یہ چیزین مختلف اقوام مین مختلف ہوتی ہین، لیکن متضاد کبھی نہین ہوتین۔ جس طرح ضیافت مین انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ہین، اُسی طرح اِن چیزون کا تنوع و تعدّد، ہمارے لطف کے زیادہ مواقع پیدا کرتا، اور حق شناسی مین معین ہوتا ہے۔ عالم انسانی مین حسن و لطافت عبارت انھین چیزون سے ہے۔

لیکن حکومتون کا کام تخلیق نہین، اُنکا کام محض مادّی پیداوار اور اسکی بربادی ہے مادی پیداوار کے لیے نظامات قایم کرنا بے شبہہ ضروری ہین، اور بعض دفعہ اُنکی تخریب و بربادی کے لیے بھی نظامات کا قیام ضروری ہوجاتا ہے، لیکن جب انکے محرک، طمع و نفرت کے جذبات ہوتے ہین، جب دنیا پر انھین کی عملداری قایم ہوجاتی ہے، اور جب انکے سامنے وہ زندہ

انسانیت جو تخلیق کا کام کرتی رہتی ہے، ایک گوشہ مین ڈال دی جاتی ہے، اسوقت توازن درہم
دبرہم ہو جاتا ہے، اور حوادث انسانی کی برق رفتاری افتان وخیزان قعر ہلاکت کی طرف لے
جانے لگتی ہے،

انسانیت جبوقت تک زندہ ہے، ہدایت ضمیر پر کاربند رہتی ہے، لیکن جب وہ قالب
بے روح ہو کر ایک مشین رہ جاتی ہے، اسوقت ہدایات ضمیر کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہی،
ایسی صورت مین اسمین نشو ونما کی قوت باقی نہین رہتی، بلکہ صرف تکثیر واضافہ کی خواہش رہ
جاتی ہے۔ اب اسکے اعمال تعمیری تمامتر خارجی ہوتے ہین، جو ہدایات باطن کی رہنمائی سے
آزاد ہوتے ہین۔ اس تعمیر مین ہم پتھر پر پتھر رکھتے چلے جاتے ہین اور تازہ ترین سائنٹفک معلومات
کے مطابق ان پتھرون کو جوڑتے جاتے ہین، تاہم چونکہ اس عمارت کی اصلی بنیاد انسان کی
زندہ روح پر ہوتی ہے، اور وہ ایک حد خاص سے زیادہ اس بار کو نہین سنبھال سکتی، اسکا
نتیجہ لازماً یہ ہوتا ہے، کہ کوئی نہ کوئی سبب جو بظاہر بہت خفیف ہوتا ہے، اسکو جنبش دیدیتا ہے، اور
یہ عظیم الشان عمارت ڈگمگا کر بالآخر زمین پر آرہتی ہے، پھر جبوقت یہ گرنے لگتی ہے، اسکو برقرار
رکھنے کی کوئی تدبیر سمجھ مین نہین آتی، یہ عمل تخریب ہین ناگوار و مذموم معلوم ہوتا ہے، لیکن اسوقت
تمام اخلاقی معدود دانشمندانہ مشورہ قانون کشش اخلاقی کو قیام توازن سے روکنے کی کوشش
مین بے اثر ثابت ہوتے ہین۔

مدنی الطبع انسان کا نصب العین بیغرضی ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے حکومت کا نصب العین
خود غرضی ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ فرد کے لیے خود غرضی مذموم سمجھی جاتی ہے، لیکن حکومت کے

لیئے اسے مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسی سے دنیا مین یہ اخلاقی کوربصری کا مرض شائع ہورہا ہی
کہ حکومت کے مذہب اور قوم کے مذہب کو مُرادف سمجھا جانے لگا ہے۔ چنانچہ آج مسیحیت کی
افضلیت کا ایک بڑا ثبوت یہ پیش کیا جار ہا ہے، کہ دنیا کا بڑا حصہ مسیحی حکومتون کے قبضہ مین ہے
حالانکہ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کسی چور کے مذہب کی حقانیت پر اس امر سے استدلال کیا
جائے کہ اسکے پاس چرائی ہوئی دولت کی اسقدر مقدار ہے! ٹھگ ہمتین قتل وہلاکت کے بعد جا کر اپنے
اپنے معابد مین خدا کا شکر ادا کرتی ہین۔ حالانکہ بعینہ اسی طرح ٹھگون کی جماعتین قتل وسفاکی کو اپنی
دیوی کا ارشاد بتاتی تہین، اور کم از کم اس حیثیت سے تو ٹھگون کو ترجیح تھی کہ انکی دیوی علانیہ خون کی
دیوی تھی۔ درحقیقت وہ دیوی اس جرایم پیشہ گروہ کی جبلت خون آشامی وسرشت سفاکی تھی،
جسکی وہ دیوی کے نام سے پرستش کرتی تھی اور چونکہ اس جذبہ کا تعلق کسی فرد سے نہین، بلکہ ساری جماعت سے
تھا۔ اسی لیئے اسکا اسقدر احترام وتقدس تھا ٹھیک اسی طرح موجودہ معابد مین قومی
خودغرضی، منافرت، خودپسندی، وحرص وطمع کو اُس عبادت مین شریک کیا جارہا ہے جیسے
صرف خدائے واحد کے لیے مخصوص ہونا چاہیے ہمین اعتراف ہے کہ سرشت انسانی مین
ذمایم ودیعت کر دیئے گئے ہین، اور باوجود قوانین اخلاق پر اعتماد، اور ضبط نفس کی تعلیم کے
بھی افراد بداخلاقیون کے مرتکب ہوتے رہین گے، اور انھین جسقدر کامیابی ہوتی جاتی ہے
اُسی قدر ہمت عصیان بڑھتی جاتی ہے،

نوع انسانی کی تاریخ مین ہمیشہ کچھ لوگ ایسے ہوتے رہین گے جو تکلیف برداشت
کیا کرین گے، اور کچھ ایسے جو دوسرون کو تکلیف دیتے رہین گے، اور بدی کا خاتمہ پوری

طرح کبھی بھی نہ ہو سکے گا، بلکہ جس طرح شعلہ روشن رہتا ہے، اُسی طرح پر ایک مسلسل کیفیت ہمارے تمدن مین بھی قایم رہے گی۔

مقصد آفرینش اس سے زاید اور کچھ نہین، کہ لازوال مرتبۂ معصومیت اور اسکے حصول کی عملی ناکامی کے درمیان جو تناقض ہے، اسکو رفع کیا جاتا ہے۔ لیکن جبتک نیکی کا نصب العین، اسکی عدم عملیت کے پہلو بہ پہلو قایم ہے، جبتک اعمال بد نے احساس نیک کو بالکل فنا نہین کر دیا ہے، اُسوقت تک تکلیف واذیت کے وجود سے زیادہ متردد ہونے کی وجہ نہین۔

یہی باعث ہے، کہ گذشتہ زمانہ مین جب کبھی کوئی قوم آمادۂ شورش و فساد ہوئی، اور دوسرون کے حقوق اس نے غصب کرنے چاہے، تو خواہ اُسے کامیابی ہوئی یا ناکامی، بہر صورت بات اس سے آگے بڑھنے نہ پائی۔ لیکن آج جو حکومت کا تخیل قایم ہوا ہے، اور جو اسوقت ساری دنیا پر مسلط ہے، اُس نے خود غرضی کو ایک فریضۂ اخلاق کی شکل مین پیش کیا ہے۔ محض اسلیے کہ یہ خود غرضی بہت بڑے پیمانہ پر ہے۔ ایسی حالت مین یہ تخیل، ہنگامی و عارضی بد اخلاقیون ہی کا محرک نہین، بلکہ انسانیت کا اصلی دشمن ہے۔ یہ عقیدہ نفوس بشری مین چپکے چپکے قانون اخلاق کی مخالفت پیدا کرتا ہے، نفوس بشری کے سامنے یہ مسئلہ مختلف طریقون سے بار بار پیش کیا جاتا ہے کہ حکومت کا مرتبہ قوم و اشخاص سے بلند تر ہے، اور یہ وہی حکومت ہے، جو اقوام کے مقدس ضابطۂ اخلاق کو قدم قدم پر ٹھکراتی رہتی ہے۔

کہتے ہین کہ مرض کی وہ حالت بہت ہی نازک ہوتی ہے، جب دماغ بھی متاثر ہو جاتا

اس لیے کہ مقاومت مرض کے لیے دماغ ہی مرکز افواج ہوتا ہے۔ قوم کا دماغی مرض اس مین ملکی و قومی خود غرضی کا پیدا ہو جانا ہی، اور اسکی علامات یہ ہین کہ آنکھین غصہ سی سرخ رہتی ہین مٹھیان کسی رہتی ہین، اور اقوال و افعال دونون سے درشتی ٹپکتی ہے جسکے باعث طبیعت اعتدال پر آنے نہین پاتی۔ حیات معاشری کی اصلی روح قوت اختیار ہے یا ہمدردی و معاونت کا حاسۂ اخلاقی۔ اسکا کام یہ ہے، کہ اپنے اور ماحول کے درمیان تطابق قایم رکھے۔ لیکن جسوقت یہ روح، قانون اخلاق کی عالمگیری سے منکر ہونے لگتی ہے، اور اُسے ایک تنگ دائرہ کے اندر محدود سمجھنے لگتی ہے، اُسوقت اسکی طاقت تشنج عضلات کی شکل مین تبدیل ہو جاتی ہے، جو صحت و اعتدال مزاج کی دلیل نہین، بلکہ جسکا نتیجہ بالآخر خود اُسی کے حق مین نقصان رسان نکلتا ہی،

اس سے بھی بڑھکر ستم یہ ہے، کہ اقوام کے اس مرض اخلاقی کو حب وطن کا مقدس لقب دیا جاتا ہے، اور اسی پر شوکت لباس مین اسے ایک اعلی اخلاقی جوہر سمجھا جاتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ مرض تمام عالم مین متعدی ہو گیا ہے، اور اس بخار کی تمتماہٹ کو دلیل صحت کامل سمجھا جانے لگا ہے۔ یہانتک کہ اقوام کے ذہن مین، باوجود اُنکی فطری آشتی پسندی کے رشک و حسد کا جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے، جب وہ یہ پاتی ہین کہ خود انکی حرارت کا پارہ اسقدر اُونچا نہین، جتنا اُنکے سرسامی ہمسایون کا ہے! اور انکی قسمت مین صرف مظلومیت ہے، درآنحالیکہ دوسرون مین ظلم و ستم کی پوری قابلیت موجود ہی! مجھ سے میرے مغربی احباب اکثر یہ دریافت کرتے رہتے ہین، کہ آخر اس عیب

مرض کے دفعیہ کی تدبیر کیا ہے۔ بلکہ بارہا مجھ سے یہ اعتراضاً کہا گیا ہے کہ تم خطرات سے متنبہ
کر کے الگ ہو جاتے ہو اور انکا کوئی علاج نہین بتاتے، اصل یہ ہے کہ نظام پرستی ہمارے
نفوس مین اسقدر راسخ ہو گئی ہے، کہ جب کسی خاص نظام سے ہمین تکلیف ہونے لگتی ہی تو ہم
سمجھنے لگتے ہین کہ فلان دوسرے نظام سے یہ تکلیف رفع ہو جائیگی لیکن ہم اس حقیقت کو بھولے ہوئے ہین کہ
تمام نظامات جلد یا بدیر تکلیف دہ ہوتے جاتے ہین جسوقت کہ اُس نفسیت مین جو انکے عقب مین کام کرتی ہوتی ہی
کوئی نقص واقع ہو جاتا ہی آج نظام قومیت قایم ہی کل ممکن ہی کہ یہ بین الاقوامی ہو جائے۔ لیکن جسوقت تک
انسان جذبات رذیلہ کی پرستش ترک نہ کریگا، جسوقت تک خود بینی، طمع وحسد کو بڑا پیمانہ اختیار
کرنے پر اوصاف اخلاق سے تعبیر کیا جاتا رہے گا، اُسوقت تک یہ جدید نظام تکلیف انسانی
کے لیے ایک جدید آلہ ہو گا، یا کم از کم یہ کہ اصلاح کے حق مین بالکل بے اثر رہیگا، اور چونکہ
ابتک ہم کارآمد نظام کو اعلی اخلاق سے تعبیر کرتے رہے ہین، اسلیے جہان کوئی نظام ناقص
ثابت ہوا، ہمین اصول اخلاق ہی سے بے اعتباری ہو جاتی ہے۔

مین اسی لیے اپنے اعتقاد کی بنیاد کسی جدید نظام پر نہین رکھتا، بلکہ اُن اخلاقی غلاظتون کی
صفائی پر رکھتا ہون، جن سے زہریلے بخارات پیدا ہوتے رہتے ہین، اور اسکے لیے ہماری
نظر تلاش ہر قوم کے ایسے افراد پر پڑتی ہے، جو غور و فکر سے کام لینے والے ہون شریفانہ احساس
رکھتے ہون اعمال صالحہ کی پابند ہون اور اسطرح دنیا مین اخلاق و صداقت کی منادی ہوتی ہی اس لیے کہ راستی
پیدا ہو جانے کے بعد خود اپنی زندگی کا سامان کرلیتی ہے، اور اپنے راستہ سے خود بخود سب
رکاوٹین دور کرتی جاتی ہے۔ حیات اخلاقی اپنا راستہ ہتھوڑیون اور کھرپیون کی مدد سے

نہین بناتی، بلکہ مناسب زمین مین پڑے ہوئے تخمون کی طرح، اسکی جڑین زمین کے اندر اندر اور شاخین آسمان تک پھیلتی جاتی ہین، اور یہ نقشہ کسی ماہر تعمیر کا بنایا ہوا نہین ہوتا۔ اس زندگی کی شرط صرف یہ ہے، کہ خیال، احساس، و ارادہ مین پاکیزگی رکھی جائے۔ باقی چیزین از خود پیدا ہو رہینگی۔

یہی باعث ہے، کہ جب مین جاپان مین میسو رچرڈ (مصنف "پیام امن") سے ملا، تو مجھے تمدن کے مستقبل سے متعلق اس سے کہین زیادہ اطمینان ہوا، جتنا اُن بڑی بڑی تجویزون اور منصوبون کو سنکر ہوتا ہے، جو ارباب سیاست آیندہ امن عالم کے متعلق قایم کرتے رہتے ہین۔ ہماری آیندہ نجات کا دارمدار کثرت تعداد یا ضخامت پر نہین، بلکہ صداقت پر ہے، جو ممکن ہے دیکھنے مین بہت حقیر معلوم ہو، جسوقت ہلاکت کی عظیم الشان قوتین جوش غضب سے بیخود ہوہوکر اپنا کام کر رہی تھین، اُسوقت مین نے شہرت و ناموری کے دایرہ سے باہر الگ تھلگ اس فرنچ نوجوان کو پایا، جسکا چہرہ صبح سعادت کے انوار سے منور تھا، اور جسکی آواز مین حیات جدید کا تموج تھا۔ اور اُسوقت مجھے یقین ہوگیا، کہ "طلوع سحر" کا وقت ہو چکا ہے، گو کسی سیاسی تقویم مین ہنوز اسکا اندراج نہین ہوا ہے،

رابندرو ناتھ ٹیگور

۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء

حصہ اوّل

بابِ اوّل

نشۂ شب

اگر آج ہم راست گوئی پر آمادہ ہو جائین تو؟..... اگر آج ہم اس عالمِ مکر و فریب مین صاف گوئی سے کام لینے لگین، اگر آج ہم بے کم و کاست واقعات ہی کے بیان کرنے پر تل جائین تو؟.....

لیکن آخر اس سے ہم ڈر کیون رہے ہین؟ کیا جو لوگ تاریکی کو روشنی پر ترجیح دیتے ہین، وہ تعداد مین بہت زائد ہین؟ مکر و فریب کے اعمال اب انھین کے ہاتھون مین چھوڑ دینے چاہئین جھون نے اسے اپنا پیشہ بنا لیا ہے، وہ لوگ بے شک کذب و حیلہ جوئی کے سہارے زندہ ہین، لیکن دنیا اسی سے ہلاک ہو رہی ہے، اور ہلاک ہوتے ہوتے اب وہ اس طرزِ زندگی سے عاجز ہو گئی ہے، وہ دن آ رہا ہے، جبکہ دنیا مکر و فریب کے دام سے اپنے تئین چھڑا کر اپنی آزادی حق و صداقت مین تلاش کرنے لگے گی، وہ دن دور نہین، جبکہ نوعِ انسان بھیڑون کی طرح ذبح ہوتے رہنے کی زندگی سے اکتا کر ان لوگون کے زیرِ علم آ جائے گی جو حق و دیانت کو عزیز رکھتے ہین۔

حق و صداقت کی آواز توپون کی گرج نے ہر کان تک پہنچا دی[1] ہے، آج کوئی کان اس سے ناآشنا نہین، یہ اسی کا اثر ہے کہ حالتِ امن نے جن فریب کاریون پر پردہ ڈال

---

[1] توپون کے پیام کو حضرت اکبر رحمۃ اللہ نے اپنے مخصوص دلچسپ و دلنشین انداز مین کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے

اپنے عیبون کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے
غلط الزام بس اورون پہ لگا رکھا ہے

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

(م)

رکھا تھا، وہ سب ایک ایک کرکے مٹ رہی ہین۔

حالت امن نے اب تک گویا بڑی قومون کو چھوٹی قومون پر مطلق الاختیار ہونے کی سند جواز دے رکھی تھی، اور بڑی قومون کی اصطلاح مین قیام امن کے معنی یہ تھے کہ وہ بجائے باہم جنگ آزمائی کے جو بہرحال ایک پرخطر شے ہے کمزور قومون کو پامال کرتی رہین۔

واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ مشغلہ ہمیشہ نہین جاری رہ سکتا، کمزورون سے جنگ جاری رکھنے کا بالآخر لازمی نتیجہ وثمرہ یہی نکلنا تھا، کہ طاقتورون مین باہم آویزش شروع ہو جائے۔

عادل حقیقی کی مشیت یہی ہے۔ کائنات گویا ایک بند دائرہ ہے عمل ورد عمل کا قانون ہمہ گیر ہے، ہر عمل کے لیے پاداش عمل لازمی ہے "گر دو نیا فت" کا اصول ہر جگہ حاوی ہے کوئی شے مٹنے نہین پاتی۔ ہر جبر ایک دوسرے جبر کی تخلیق کرتا ہے جس طرح ایک لکۂ ابر کو دوسرے لکۂ ابر کی طرف کشش ہوتی ہے، اسی طرح ہر قوت دوسری قوت کا باعث ہوتی رہتی ہے، اسی کا ثمرہ ہے کہ یورپ جو بلائین بارہا دوسرون پر نازل کر چکا ہے، وہ آج خود اس پر مسلط ہو رہی ہین مصائب ونوازل کے یہ دَل بادل جو خود یورپ کے پیدا کردہ ہین، جن لوگون نے فضا مین ان کے اجتماع کا اندازہ نہین کیا تھا، وہ نابینا تھے۔

متحاربین مین سے کون سا فریق اس نقطۂ نظر سے اپنے تئین معصوم وبے قصور کہہ سکتا ہے؟ ان مین سے کس کے ہاتھ بے گناہون کے خون سے رنگین نہین ؟

اس وقت جتنی قومین سرگرم آویزش ہین، ان مین سے ہر ایک اگر بے تعصبی کے ساتھ اور خالی الذہن ہو کر غور کرے، تو ان تمام واقعات وحوادث کا، جو بالآخر اس جنگ عظیم کے

تک منتہی ہوئے، سراغ بالکل منطقی و معقول ترتیب و تسلسل نتایج کے ساتھ اسے خود اپنے ہی اعمال مین نظر آئے گا۔

مثال کے طور پر ۱۸۷۸ء کے معرکۂ مراکو کو لیجیے، کیا جنگ طرابلس اس کا لازمی نتیجہ نہ تھی؟ پھر کیا جنگ طرابلس ہی ترکی کو کمزور کر کے جنگ بلقان کا پیش خیمہ نہین ثابت ہوئی؟ اور پھر کیا جنگ بلقان ہی روس و آسٹریا کے درمیان رقابت پیدا کر کے جنگ جہان سوز کا باعث نہین ہوئی؟

آج جو قومین بہ ظاہر بے گناہ معلوم ہوتی ہین، حقیقۃً ان مین سے کوئی ایک بھی بے گناہ نہین، یہ سچ ہے کہ اس وقت بعض قوت و جبروت کو اپنا سب سے بڑا حربہ سمجھے ہوئے ہین، اور بعض حق و استحقاق کے نعرے لگا رہی ہین، لیکن زبانون پر خواہ کچھ ہی ہو، اہل نظر دیکھ رہے ہین کہ ہر فریق کے پنجۂ شکار ہی کے تاک مین ہین۔

ان کے دعوون کو سنیے تو معلوم ہوگا کہ مظلومون کے حقوق کی حفاظت کرنے والون کی تعداد اتنی زائد شاید کبھی بھی نہ تھی۔ ہر فریق اپنا مدعا یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ دوسرے فریق کے پنجہ سے کمزور و ناتوان قومون کو رہائی دلانا چاہتا ہے، پولینڈ کو آزادی دلانے کے روس و جرمن دونون یکسان بلند آہنگی کے ساتھ مدعی ہین، اسپین، آیرلینڈ، سرویا، مصر، بلجیم، ہندوستان، ان سب کو آزاد کرانے کے بڑے بڑے زبردست وکلا موجود ہین، اور اس مین شبہ نہین کہ یہ وکلاء حریت ایک دوسرے کو قتل و ہلاک کر کے، واقعۃً ان مظلومون کی آزادی مین معین ہو رہے ہین۔

یہ ہے اس تمام شورش کا اصلی باعث، یہ ہے اس جنگ کی حقیقی علت، بعض قومین اپنے نفع کے لالچ مین بے شک جنگ کی خواہشمند تھین لیکن اس کی ذمہ داری، اور اس صورت حال کے پیدا کرنے مین جملہ اقوام مساوی شرکت رکھتی ہین۔

یہ جنگ جہان سوز لازمی نتیجہ ہے سیاسی خودغرضیون اور ناجائز حب جاہ کا، ثمرہ ہے طماعی و بددیانتی کا، اور قیمت ہے تمام قومون کی شرمناک و منافقانہ انصاف کشی کی۔ اس لیے کہ آج تک یہ ساری قومین (بعض علانیہ اور بعض خفیہ) برابر اپنے نفوس کے اندر ظلم وجبر، حرص و طمع کے عفریت کی پرورش کرتی رہی ہین۔

یہ جنگ اُن قومون نے برپا کی ہے جو ملک گیری کی بھوکی ہین، اُن قومون کے خلاف جنکی اشتہاء ملک گیری آسودہ ہو چکی ہے۔ ہر قوم کی اشتہا مساوی درجہ کی نہ تھی، ہر قوم کی قوت تغذیہ مین بھی فرق مراتب تھا لیکن اس قوت کو ترقی دیتے دیتے بالآخر سب کا اجتماع ایک نقطہ پر ہو گیا، سطح زمین محدود تھی، کہان تک ان کے وسیع معدون کے لیے کافی ہوتی، جب دوسرا کوئی باقی نہ رہا، تو اونھون نے آپس ہی مین ایک دوسرے کو اپنا طعمہ بنانا چاہا۔

روئے زمین کو مسخر کر کے اونھون نے جو مال غنیمت فراہم کیا تھا، یہ جنگ اس کی تقسیم کے لیے ہے، "دول عظمی" کی مے نوشیون اور بدمستیون کا یہ آخری سمان ہے۔

یہ جنگ وہ سامان عبرت ہے، جو زمانۂ حال، زمانۂ مستقبل کے لیے چھوڑ رہا ہے تاکہ آیندہ دنیا کو معلوم رہے کہ ذلت، بربادی وہلاکت کا راستہ کون سا ہے،

لیکن اس کے علاوہ اور بھی درسِ عبرت یہ جنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔

باب دوم

خمارِ صبح

یہ جنگ نہ صرف طبعی اسباب کی بنا پر ناگزیر تھی، بلکہ اخلاقی قوانین کے لحاظ سے بھی اس کا وقوع لازمی تھا، کہنا چاہیے کہ مشیت غیبی کا منشاء بغیر اس کے پورا ہی نہین ہو سکتا تھا۔

یورپ کی فضا پر مکر و کذب کی جو گھٹا چھائی ہوئی تھی، اس کے صاف کرنے کے لیئے لازمی تھا کہ فن احتیال سیاسی (ڈپلومیسی) کا پردہ فاش ہو۔

بڑی بڑی قومون کی بربادی لازمی تھی، اس لیے نہین کہ ایک ظالم قوم کے پنجہ سے نکل کر دنیا دوسری ظالم قوم کی گرفت مین آجائے، بلکہ اس لیئے کہ دنیا کو ہوسناکی و ملک گیری کے عام استیلاء سے آزادی نصیب ہو۔

ہمارے سر بفلک قصر تمدن کا، جو از سر تا پا تصنع و ریاکاری کی بنیادون پر قائم تھا، انہدام و انعدام ضروری تھا، تاکہ نوع انسان کی رفتار ارتقائی کو وحشیانہ جبر و ستم اور دکانداری کی بندشون سے رہائی حاصل ہو، اور انسانیت ترقی کا قدم بڑھا سکے۔

اس جہنم کا ایک بار برپا ہونا لازمی تھا کہ جو قوتین اس کی آفرینش کا باعث ہوئی ہین انہین تزکیہ حاصل ہو۔

اس غدر و شورش کا وقوع لازمی تھا، کہ جدید عمارت کے لیے سطح ہموار ہو اور ایک جدید زمین و جدید آسمان کی تخلیق ہو،

جنگ کے اصلی اسباب و بواعث یہ ہین نہ کہ وہ جن کے لیے فریقین مشغول آویزش ہین، ہر فریق "اپنی" کامیابی کا یقین رکھتا ہے، اور یہی نشہ شب کا خمار صبح ہے، یہ جنگ تو باہمی بربادی و استیصال کی ہے، اس مین کسی فریق کی فتح و کامیابی کے معنی ہی کیا ہین؟ جس قدر جان و مال کا اتلاف زیادہ ہوتا جاتا ہے، جس قدر یہ جنگ مع اپنے شدائد و مہالک کے طوالت پذیر ہوتی جاتی ہے، اسی قدر کامیابی کا لفظ بے معنی ہوتا جاتا ہے۔

ابھی فریقین کو صدہا کامیابیان ہولین گی، جب جاکر ایک مشترک شکست سب کے نصیب مین آے گی، جس فریق کا جتنا جی چاہے، اپنی فتوحات اور اپنی کامیابیون کی اشاعت کرے، دنیا مین اس کا غلغلہ برپا کرے اور ان کو مشتہر کرکے خوشیان منائے، تاہم اس سے وہ آنے والا وقت نہین ٹل سکتا، جبکہ یہ سب قومین خودکشی کرچکی ہون گی اس لیے کہ اس جہان سوز جنگ کا ہر روز، خواہ اس مین کسی فریق کو کتنی ہی کامیابی ہو مجموعی تباہی و بربادی کے وقت کو اور قریب لاتا جارہا ہے۔

دنیا پر غلبہ و استیلا کے دعوے اب کی باطل ہوکر رہین گے۔ اتنی پیشین گوئی تو ہر شخص کرسکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یقینی ہے کہ قومون نے اپنی عادت قدیم کے مطابق اپنے منافع کے جو طامعانہ و حریصانہ اندازہ لگائے ہین وہ بھی اب کے پورے ہونے کے نہین۔

اس جنگ سے جو کچھ بھی فتوحات و کامیابیان کسی فریق کو حاصل ہون گی، وہ وہ نہین ہونگی جو اسکی آرزوؤن کے مطابق ہون گی، بلکہ وہ ہون گی، جو ان قومون کی مجموعی بربادی کے باعث دنیا کے لیے پرمنفعت ثابت ہون گی۔

دول متحاربہ کی حکومتیں ایک طرف تو اپنی اپنی قوم کو اپنی کامیابی و فتحمندی کا سراب دکھا رہی ہیں اور دوسری طرف خود ان کا نفس اس سے بھی بڑھ کر اس دھوکے میں مبتلا ہے، کہ خاتمۂ جنگ پر پھر زمانۂ قبل جنگ کے حالات عود کر آئیں گے، اور پھر وہی نفسیت جاری و ساری ہو جائے گی۔ وہ اس خیال میں مست ہو رہے ہیں کہ اختتام جنگ پر پھر انھیں انہی رنگ رلیوں اپنے محبوب مشاغل سے محظوظ ہونے کا موقع ملے گا۔ وہ اس حماقت میں گرفتار ہیں کہ جس طرح امن گزشتہ کل تک قائم تھا، وہی آیندہ کل پھر قائم ہو جائے گا۔ یہ خود فریبی بعینہ اسی درجہ و مرتبہ کی ہے کہ جیسے دور گزشتہ میں وہ برابر یہ سمجھتے رہے کہ اپنے تئیں اس دور ہلاکت سے محفوظ رکھ سکیں گے، درآنحالیکہ وہ خود ہی اپنے طرز عمل سے اسکا سامان فراہم کرتے رہے۔

سو یہ نہیں ہونے کا۔ ماضی و استقبال کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے سیل دریا اپنا رخ نہیں پھیر سکتا، اور یہ جنگ ان نادانوں کو جہاں یہ چاہتے ہیں وہاں نہیں لیجانے کی کیا وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ واقعات و حوادث جو اس وقت روے زمین میں زلزلہ پیدا کئے ہوئے ہیں، مستقبل کے لیے بالکل عبث رہیں گے؟ یا وہ عظیم الشان تجربہ جو اس وقت اقوام کو حاصل ہو رہا ہے، اس سے وہ غیر مستفید رہیں گے؟ یا دوسرے اس درس عبرت سے بالکل غیر متاثر رہیں گے؟ یا یہ سیل معاصی و جرائم، یہ اقوام کا غسل خونیں، یہ ظلم و شقاوت، یہ مظلومیت و بے بسی، یہ سب چیزیں بالا بالا چلی جائیں گی؟ کیا یہ سارے انقلابات محض اس لیے ہوئے ہیں، کہ کل آیندہ ان لوگوں کو اپنے

ان اعمال کی پھر فرصت حاصل ہو جائے، جن مین وہ کل گزشتہ تک مشغول تھے۔

خودفریبیون اور نادانیون کا زمانہ ختم ہو چکا۔ جو صلح ہونے والی ہے، وہ خودغرضیون پر مبنی نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ جو باہمی جنگ چھڑی ہے، یہ جنگ جو دول عظمیٰ کے درمیان ہو رہی ہے، دراصل وہ جنگ ہے، جو سب سے ارفع و برتر قوت، ان کل قوتون کے خلاف مجموعًا کر رہی ہے:

لیکن یہ جنگ جس طرح سب کے معاصی کا نتیجہ ہے، اسی طرح سب کی اصلاح و ترقی کا راز بھی اسی مین مضمر ہے، متحاربین مشیت غیبی کے سامنے بے بس تھے، جس کا منشا ان سب کو سزا دینا تھا، ان مین سے بعض اسوقت حق و انصاف کی آڑ پکڑ رہے ہین مگر یہ بالکل بے سود ہے۔ وہی حق و انصاف جسے وہ ہمیشہ پامال کرتے رہے وہ آج خود انھین موت و ہلاکت کے غار مین ڈھکیل رہا ہے، اور اس جہنم سے اُنھین نجات اسی وقت مل سکتی ہے، جب وہ اپنی زندگی مین عدل و صداقت پیدا کرین۔

یہ جنگ کسی نہ کسی شکل کے ساتھ، یا اس جنگ کے بعد ایک سلسلۂ جنگ کے ساتھ برابر جاری رہے گی، تاآنکہ بدکاری و تخریب کا وہ دیوتا جس نے استنے دنون نفس بشری کے اندر نشوونما پائی ہے، رحم کی التجا کرنے پر مجبور ہو جائے، تاکہ اس کے مٹنے کے بعد باہمی خدمت و اعانت کا جدید دور پیدا ہو، نفرت و عداوت کا دیوتا اگر یون نہ سرنگون ہوا، تو یقیناً یہی شعلۂ جنگ جو یورپ مین بھڑکا ہے، فرداً فرداً یورپ کے ہر ملک مین بھڑکیگا اور ممکن ہے کہ روئے زمین کا کوئی گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکے، تاہم جب تک اسکا

مقصد پورا نہ ہولے گا، وہ برابر قائم رہے گا، اور وہ مقصد یہ ہے کہ قومون کے دلون مین انسانیت کا درد، انسانیت کا احساس پیدا ہو جاے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح کوئی قوت اس شعلہ کو بھڑکنے سے باز نہ رہ سکی، اسی طرح ابتک کوئی تدبیر اس کے بجھانے مین بھی کامیاب نہین ہو سکی ہے، تمام دنیا کا مصائب و نوازل مین گرفتار ہو جانا، بلا سبب اور بے معنی نہین ہو سکتا تھا،

واقعات و حوادث پر اس حیثیت سے نظر کیجئے، جب جاکر سمجھ مین آئے گا۔ اسوقت خود غرضانہ و نفس پرستانہ تعصبات کا پردہ فاش ہوگا، اس وقت..... اس شئے پر نظر پڑیگی جو نگاہون سے مخفی اور تمام ظواہر کے عقب مین ہے، اور اسوقت مستقبل کی وہ "حقیقت منتظر" منصۂ شہود پر آئے گی، جو اسوقت تک ماضی و حال کے مجاز مین مستور رہی ہے، اس مستقبل سے کیا مراد ہے؟ وہ قوت یا وہ ذات جسکے بار قدم نے کرۂ ارض کے جسم پر لرزہ پیدا کر دیا ہے،

باب سوم

حقایق فردا

طلوع فردا، یعنی تاریکیٔ شب کا طلوع سحر کی طرف بڑھتا ہوا ایک اور قدم، قعر مذلت سے بام ترقی تک لے جانے والے راستہ کا ایک اور زینہ، ہان راستہ کی وہ چڑھائی جسے انسانیت زخمی اور خون فشان پیرون کے ساتھ طے کر رہی ہے،

یہ طلوع فردا ناگزیر ہے، حقائق مستقبل پر نظر نہ عامیانہ رجائیت[1] رکھتی ہے، نہ عامیانہ یاسیت[2]، یہ دونون اپنی پست قامتی کے باعث پیش آیند واقعات کو نہین دیکھ سکتین۔ مستقبل اتنے فاصلہ پر ہوتا ہے کہ وہان تک شخصی یا قومی خود غرضیون کی محدود نظرین پہنچ ہی نہین سکتین، دور دور کی چیزین صرف انھین کو نظر آ سکتی ہین جو کسی بلند مقام پر استادہ ہوتے ہین

کل کیا ہوگا؟ غالبًا کل جنگ ختم ہو جائے گی، لیکن کیا اس سے دنیا کے مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا؟ ہرگز نہین، بلکہ ان کے اشتداد مین اور اضافہ ہو جائے گا، شعاع نور کی جھلک تک نظر نہین آ سکتی، تا وقتیکہ انتشار و ابتری حد کمال تک نہ پہنچ جائے، تا آنکہ فضا مین انتہائی تیرگی نہ چھا جائے، نامۂ اعمال کی سیاہی جب تک بالکل کامل نہ ہو جائے ظہور نور کا وقت

---

[1] "رجائیت" ترجمہ ہے Optimism کا، جو اس ذہنی کیفیت کا نام ہے جس کی بنا پر انسان ہر شئے کے متعلق خوش آیند و مسرت آمیز توقعات رکھتا ہے۔ م

[2] "یاسیت" ترجمہ ہے Pessimism کا، جو رجائیت کی ضد ہے، یعنی وہ کیفیت ذہنی، جس مین انسان ہر شئے کو مایوسی و حسرت کی عینک سے دیکھتا ہے۔ م

نہین آسکتا، اور ابھی اس تیرگی وسیاہی کا کامل ومکمل ہونا باقی ہے۔

یہ جنگ تو محض ایک مقدمہ یا تمہید ہے، اور اس کا خاتمہ، خواہ وہ کسی صورت مین بھی ہو، مقصود بالذات نہین ہو سکتا، یہ تمہید جس متن کی ہے، اس کا آغاز اس جنگ کے خاتمہ پر ہوگا، وہ وہ واقعات وحوادث ہون گے جو مقصد جنگ کی تکمیل کرین گے۔

بے شبہ یہ بالکل ممکن تھا کہ کوئی سوء اتفاق ان واقعات کو ان کی پختگی تک پہنچنے سے قبل ختم کر دیتا، لیکن ایسا سوء اتفاق نہین پیش آیا، اس لیے اب اُن واقعات کا رونما ہونا اسی قدر ناگزیر ہے، جیسے خود یہ جنگ تھی۔ وہ اس صورت حال کے منطقی ولازمی نتائج ہین، اور جب کوئی قوت جنگ کے روکنے مین نہ کامیاب ہو سکی تو اس کے لازمی نتائج کو ظہور پذیر ہونے سے کون قوت باز رکھ سکتی ہے؟ ان نتائج مین سے بعض کی بابت ابھی قطعیت کے ساتھ حکم لگایا جا سکتا ہے، اور اس سے زیادہ وثوق وقطعیت کے ساتھ جتنا کہ اس جنگ کے خاتمہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔

یہ بالکل ممکن ہے، کہ جس طرح یہ جنگ بظاہر دفعتہً خود بخود چھڑی، اسی طرح یک بیک ختم بھی ہو جائے، اگر آسٹریا کے شہزادہ کا قتل اس جنگ جہان سوز کے آغاز کا باعث بن گیا، تو کیا عجب ہے، کہ اسی درجہ کا کوئی معمولی واقعہ غیر متوقع طور پر اس کے اختتام کا بھی باعث بن جائے۔

ساتھ ہی اس کا بھی امکان ہے کہ خاتمۂ جنگ کا جو مفہوم عموماً سمجھا جاتا ہے،

اس معنی مین جنگ ختم ہی نہو، اور بجاے نام نہاد حالت صلح کے جیسا کہ ابتک قائم تھی، ایک مستقل و پائدار حالت جنگ ہی قائم ہو جاے، جس مین ہر فریق ہر وقت دست بر قبضۂ شمشیر رہے، جیسا کہ اس وقت بھی ہے،

غرض جو صورت بھی پیش آے آتنا بہر حال یقینی ہے، کہ اس جنگ کا خاتمہ مثل محاربات سابق کے نہ ہو گا، اور اس کا خاتمہ جب ہی ہو گا کہ موجودہ نظام معاشرت و تمدن ہی ختم ہو جائے، اس لیے کہ اس جنگ کا سلسلہ اس وقت تک یقینًا قائم رہیگا جب تک اس کا احتمال نہ مٹ جاے کہ موجودہ صورت حال پھر عود کر آئے گی،

جنون جس سرعت سے طاری ہوتا ہے، اس تیزی سے جاتا نہین، قضاے آلہی جو اقوام یورپ کی بربادی کا فیصلہ کر چکی تھی، اس نے پہلے اُن لوگون کی عقلین خبط کر دین جو جنگ کے آرزومند تھے، اور اسی قضاے آلہی نے اب ان اشخاص کی عقلون پر پردہ ڈال رکھا ہے، جو لڑائی کو فتح مندی سے ختم کرنا چاہتے ہین، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان لوگون نے صلح کے خلاف ایک دوسرے سے معاہدہ کر کر کے اپنے اپنے ہاتھ خوب مضبوط کس رکھے ہین، اور اس طرح فریقین نے اپنا ایسا توازن قوت قائم کر رکھا ہے، جو ہر قسم کے صدمہ کی برداشت کر سکتا ہے، جابجا اس مین رخنہ پڑ سکتے ہین لیکن اس کا درہم و برہم ہونا دشوار ہے، اس کی زندگی عرصہ تک قایم رہ سکتی ہے،

اس کے علاوہ جون جون جنگ کو طوالت ہوتی جاتی ہے، اس کے مزید قیام کے اسباب بھی قوی ہوتے جاتے ہین، اس معنی مین کہ جو فریق اب تک کچھ کامیاب ان

حاصل کرچکا ہے، وہ ڈر رہا ہے کہ کہین صلح ہو جانے سے اسے ان جدید مفتوحہ علاقون سے دست بردار نہ ہونا پڑے، اور جنھین ابتک ناکامیابیان ہوئی ہین، وہ برابر اس فکر مین ہین کہ ذرا اور جوانمردی دکھاکر ہاتھ سے نکلی ہوئی چیزین پھر واپس لے لین، غرض غالب و مغلوب، قوی و کمزور دونون جنگ کے طلبگار ہین، اور اس طرح لڑائی جتنی بڑھتی جاتی ہے، اتنا اُسکا خاتمہ اور دور ہوتا جاتا ہے!

تاہم ابھی تک ہر فریق کو اُمیدین اور تمنائین ہین، لیکن اگر ان اُمیدون اور تمناؤن کی جگہ مایوسیان اور حسرتین لے لین، تو کیا خاتمہ جنگ کچھ بھی قریب ہو جائیگا؟ ہرگز نہین،

طوالت جنگ کے حق مین جو سبب سب سے قوی مانع ہو سکتا تھا، وہ اقوام کی اقتصادی ناداری تھی، لیکن اقوام متحاربہ اس مانع قوی پر بھی بہ آسانی غالب آگئین۔

آغاز جنگ کے وقت متعدد ماہرین اقتصادیات نے پیشین گوئی کی تھی کہ جنگ کی مدت چند ماہ سے زائد نہین رہ سکتی، ورنہ فریقین بالکل تباہ ہو جائینگے، ان ماہرین فن کا اندازہٗ حالات اقتصادی بالکل صحیح تھا، لیکن ان کا یہ خیال قطعاً غلط تھا کہ تباہی و بربادی کا یقین ان اقوام کو سالہا سال تک مشغول جنگ رہنے سے باز رکھے گا، انھین اختیار ہے کہ جتنی زور سے جی چاہے وہ یہ صدائین بلند کرتے رہین کہ "صلح کرو ورنہ برباد ہو جاؤ گے"، لیکن ان آوازون پر کوئی قوم نہین کان رکھنے کی

صلح و جنگ کے انتخاب کا وقت اب انکے ہاتھوں سے نکل چکا ہے، تباہ و برباد تو تمام اقوام اچھی طرح ہو چکیں، اور جتنا ان کو احساس ہے اس سے کہیں زیادہ تباہی کی نوبت آچکی ہے لیکن یہ تباہی ہرگز انھیں عزائم جنگ سے باز رکھنے کی قدرت نہیں رکھتی، بلکہ برعکس اس کے یہی تباہی انھیں اور زیادہ درازئ جنگ پر مجبور کر رہی ہے، ہر فریق کا جتنا زیادہ نقصان ہو رہا ہے، اسی تناسب سے وہ اور زیادہ جان پر کھیلنے کو تیار ہو رہا ہے،

یورپ کی حکومتیں جتنا زیادہ تباہی کے انتہائی سرے کے قریب ہوتی جاتی ہیں اسی قدر شکست پذیر قمار بازکی طرح ان کی جانبازی اور بڑھتی جاتی ہے، جب تک ان کے ہاں کچھ آدمی بھی جان دینے کے لیے موجود ہیں، ان کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل اپنی اپنی خندقوں کی حفاظت کے لیے برابر تیار ملیں گی، اس لیے کہ اب سوال محض جنگ کا نہیں، بلکہ ان کی زندگی و موت کا سوال ہے، وہ خوب جانتی ہیں کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی انھیں اپنی اپنی رعایا کے سامنے، نہ پوری ہونے والی آرزوؤں اور نہ ایفاء ہونے والے وعدوں کے متعلق جواب دہی کرنا ہو گی۔ ہر حکومت اس یوم احتساب کو ملتوی رکھنے کی فکر میں ہے، اور اس میں کامیاب ہوتی رہے گی، جب تک اس کی رعایا میں کچھ لوگ بھی اپنی جان دینے کے لیے آمادہ باقی رہیں گے،

طلوع فردا، ہر ملک کی غریب و مظلوم رعایا کی دادرسی کے لیے ہو رہا ہے

لیکن فرض کرو کہ اسی اثنا میں کسی حیرت انگیز حربی یا سائنٹفک ایجاد کی مدد سے

یا کسی خاص شیطانی تدبیر کے انکشاف سے، یا کسی غیر معمولی و غیر متوقع حادثہ کی بنا پر ایک فریق دوسرے کو مسخر کرے، تو بھی کیا جنگ کا خاتمہ ہو جائیگا؟

یاد رہے کہ جب تک جنگ آفرین اسباب باقی رہین گے، اس وقت تک جنگ کا خاتمہ نہین ہو سکتا، وہ مرے گی اور اپنی نعش سوختہ سے پھر دوبارہ زندہ ہو گی۔ ایسی حالت مین صلح اگر ہوئی، تو وہ صلح نہ ہو گی، بلکہ محض مہلت سامان جنگ ہو گی، یہ وہ وقفہ ہو گا جسمین مزید محاربات کی تیاریان کی جائین گی، اور یہ محاربات غالباً ان کے درمیان ہون، جو کل تک ایک دوسرے کے حلیف اور زمرہ اتحادیین مین تھے، تباہ شدہ و مسلح اقوام جس وقت باہمی حساب کرنے بیٹھتی ہین، اس وقت سے بڑھکر خطرناک وقت اور کوئی نہین ہوتا۔

پھر اتحادیین کے علاوہ بھی دنیا مین کچھ اور مسلح و آمادہ جنگ قومین ہین، دنیا مین نفسانیت، انانیت، حرص و ہوس و دیگر جذبات سے بھری ہوئی کچھ اور قومین بھی ہین۔ یہ دول عظمیٰ کی برادری سے خارج، پست و مظلوم قومین ہین، جو ساعت انتقام کے انتظار مین ہین۔

فردائے موعود اس کا طلوع انھین اقوام کے لیے ہو گا۔ جو چیزین آج فنا ہو رہی ہین، وہ اس روز سب ختم ہو چکی ہون گی، اور اس وقت سے دنیا گویا نیا قالب بدلے گی

باب چہارم

آہِ مظلومان

منازل ترقی کے طے کرنے مین نسل انسانی کے ساتھ اقوام یورپ کو وہی تعلق رہا ہے جو گلہ کے ساتھ پاسبان کتون کو رہتا ہے، ان اقوام نے سگان پاسبان کے فرائض پوری مستعدی و سختی سے انجام دیے، سست رفتارون کے لیے ان کے قلوب رافت و رحمت کے جذبات سے خالی رہے ہین، زندہ اجسام کے گوشت مین ان کے دانت خوب پیوست رہا کیے ہین، اور اگر اس جماعت سگان مین خود ہی باہم پھوٹ نہ پڑجاتی، تو ان کی قوت خونخواری کا معلوم نہین کیا انجام ہوتا۔

اگر یہ سگ طبع اقوام باہم متحد رہتین، تو تمام دنیا ان کے دام مین اسیر ہو جاتی، اقوام عالم کی قوت نشوونما گھٹ کر رہجاتی، اور سب کے قوائے عمل مضمحل بلکہ مفلوج ہو کر رہجاتے،

کیا ہم اس واقعہ کو بھول گئے ہین کہ ۱۹۰۰ء مین، پیکنگ (چین) مین ان "متمدن اقوام" کی افواج متحدہ نے جرمنی کی سرکردگی مین اپنی سبعیت و بہیمیت کے کیسے کیسے ثبوت دیے تھے، درآنحالیکہ آج انھین افعال و اعمال پر وہ جرمنی کو لعنت و ملامت کر رہے ہین؟

اُس وقت اس کا امتحان تھا، کہ یورپ مین تمام دنیا پر حکمرانی کی کس حد تک اہلیت ہے، لیکن وہ اس امتحان مین ناکام ثابت رہا، شایستگی و تمدن کی خدمت اسکا نصب العین تھی، مگر اُسکی قوت اُس کے حق مین وبال ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوت شکست

ہونے لگی، اس مین رخنے پڑنے لگے، یہان تک کہ اس کا توازن قوت پارہ پارہ ہوگیا، تاکہ دنیا کا توازن قائم رہے،

رفتار کائنات مین اقوام کی مثال کبھی اُس دست و بازو کی ہوجاتی ہے، جو وار کرتا ہے، اور کبھی اس زندہ گوشت کی رہتی ہے جو تکلیف وکرب سے آہ کرتا ہے، ان مین باہمی فعل وانفعال کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے، اور اپنی اپنی نوبت مین ہر قوم آقا و غلام بنتی رہتی ہے[1]، "اپنی اپنی نوبت" کی قید اس لیے کہ کوئی قوم ہمیشہ آقا یا ہمیشہ غلام نہین رہ سکتی، نجات کا ایک نہ ایک دن سب کے لیے آتا ہے،

موجودہ جنگ بھی نجات و رہائی ہی کی جنگ ہے، البتہ ان الفاظ کا مفہوم وہ نہین جو متحاربین کے دلون مین ہے، یہ لوگ بعض چھوٹی قومون کی آزادی دلانے کے تو مدعی ہین، اور حال یہ ہے کہ خود ان کے پنجۂ اسیری مین بڑی سے بڑی انسانی آبادیان پھڑپھڑا رہی ہین؟ ان مین سے ہر حکومت اپنے حریف کی شہنشاہیت وہوس ملک گیری کا زور توڑنے کی فکر مین ہے اور اپنی طرف کوئی نہین دیکھتا، بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ جو قومین اپنی آزادی وخودداری کو سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہین، وہی دوسرون کی آزادی وخودداری کو پامال کرنے مین سب سے پیش پیش ہین،

یہ تو یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ یہ جنگ یورپ کی چھوٹی چھوٹی مفتوح قومون کو

---

[1] تلک الایام نداولہا بین الناس، م

آزادی دلادیگی تاہم اس قدر بالکل قطعی ہے کہ ایشیا اور افریقہ کی بڑی بڑی مفتوح قومون کی آزادی وخاتمۂ اسیری کا زمانہ روز بروز قریب آرہا ہے،

کیا دنیا مین وہ بڑی قوم اپنی مستقل زندگی، اپنی آزاد زندگی کو مطلق عزیز نہین رکھتی جو عربی النسل ہے، اور عربی زبان بولتی ہے، اور جسے اس قدر بلند آہنگی کے ساتھ ترکون کی ماتحتی محکومیت سے آزادی دلائی گئی ہے؟ ہان وہ وسیع قوم جسے نہ صرف اتحاد مرزبوم بلکہ اتحاد مذہب نے بھی بحر اوقیانوس سے لیکر بحر قلزم اور بحر قلزم سے لیکر خلیج فارس تک مایوسیون اور ناکامیون کے ایک رشتہ مین منسلک کر دیا ہے،

مصر، عرب، طرابلس، مراکو، وغیرہ کی تمام آبادیان صرف ایک لیڈر، ایک مرد بزرگ کے ظہور کی منتظر ہین جو آئے اور انھین ایک قوم بنا دے، ہر قوم مین ایسے لیڈر کا ایک نہ ایک دن پیدا ہونا لازمی ہے، وہ پیدا ہوتا ہے، اور پیدا ہوتا رہتا ہے، تاآنکہ اسے پوری کامیابی حاصل ہو جائے،

رہا ہندوستان، تو کیا وہ مادر ہند جس نے دنیا کی ہر قوم کی رضاعت کی ہے، کیا عنقریب وہ آزادی سے مستفید نہ ہوگی،

یہ تمام اقوام گو باہم کتنے ہی مختلف ہون، تاہم مظلومیت کے اشتراک نے سب کو متحد کر دیا ہے، قالب گو مختلف ہین، لیکن ایک ہی روح اس وقت سب مین کام کر رہی ہے، اور وہ روح کیا ہے؟ عظمت ماضی و آزادی مستقبل کا احساس، یہ جدید روح اس حقیقت کا علم رکھتی ہے کہ وہ روز سعید جس کا ایک صدی سے انتظار تھا، کل طلوع ہونے والا ہے،

اس یوم احتساب، اس روز نجات کی آمد کو ان طریقون سے روکنا بالکل لاحاصل ہے، کہ ان اقوام کی کتب مقدسہ کا مطالعہ ممنوع قرار دیدیا جائے، بھگوت گیتا کے مطالعہ کرنے والون کو نظر بند کردیا جائے، اور ان کے ہان کے حکما، وقت کو جرائم پیشہ قرار دیدیا جائے، قسمتون کا فیصلہ جو ہونے والا ہے، ہو کر رہنے گا، وہی ساعت، صبح سعادت کے اصلی طلوع کی ہوگی اور سعادت تمام اقوام کے لیے،

اس کے بعد جو دور جدید قائم ہوگا، اس مین جوان عمر اقوام کو برابر اس کا احساس رہیگا کہ کم عمر قومون کے ساتھ تحقیر اور ضعیف العمر قومون کے ساتھ بیدردی کا برتاؤ کرنا درست نہین اس وقت کوئی کانگو،[1] بلجیم کے ماتحت نہ ہوگا،

یہ کیونکر ممکن تھا کہ یورپ جو تمام دنیا کو اپنی غلامی مین لا رہا تھا، خود اس کے ہان غلام نہ ہون؟ قدیم غلام تو تھے ہی، جدید غلام خود یورپ کی سرزمین پر بھی پیدا ہو گئے، کیا زمانہ کی نیرنگی ہے، کہ یہ جنگ، جو آزادی کے لیے برپا کی گئی، اس کا پہلا اثر یہ ہوا، کہ جو قومین اب تک یورپ مین آزاد تھین، وہی غلامی کے دائرہ مین آگئین!

جنگ کا آغاز سرویا کی حمایت مین ہوا، لیکن سرویا کو اس حمایت وہمدردی کی آڑ مین جن مصائب ومظالم کا ہدف بننا پڑا، کیا بغیر اس جنگ کے بھی اس کی قسمت مین یہی ہوتا؟ اوس کی گذشتہ تاریخ مین تو اس کی نظیر نہین ملتی،

[1] کانگو، بر عظم، افریقہ کا وہ علاقہ ہے، جو مدتون بلجیم کے شدید مظالم کا ہدف رہ چکا ہی، م

رحمت کی گھڑی ان گرفتاران جدید و قدیم سب کے لیے آئے گی، یہ گھڑی کس وقت آئے گی؟ اُسوقت نہین جب ان مظلومون کے باضابطہ ہمدرد انھین بیرونی غنیمون سے نجات دلائین گے، بلکہ اُس "طلوع فردا" کے وقت جبکہ یورپ کی ظالم و مظلوم تمام اقوام اپنے اُس اندرونی مشترک دشمن کے پنجہ سے رہائی پا چکین گی جس کی آج وہ سب غلام ہین،

وہ دن خاتمۂ جنگ کا اصلی دن ہوگا، اور اقوام عالم کے لیے یوم راحت و انشراح شام حسرت کے بعد یورپ کی بڑی چھوٹی سب قومین طلوع سحر امید کا جلوہ دیکھین گی،

باب پنجم

شام حسرت

یورپ کے اکثر ممالک مین انقلابات برپا ہونے والے ہین، یہ وہ خیال ہے، جو آج ہر دماغ مین اور ہر زبان پر ہے، اور حکومتین اگر اس سے ناواقف ہین، تو ان کی نابینائی مین کوئی شک نہین لیکن اگر یہ شئے ان کے علم مین نہ بھی ہو تاہم ان کے شعور خفی مین تو ضرور ہے، اور اسی لیے وہ ڈر رہی ہین۔ ان کے اعمال کو غور سے دیکھو تو ان کی خوف و دہشت کا صاف پتہ چل جائیگا اور یہ جو لڑائی مین اتنی زیادہ طوالت دی جا رہی ہے، اس کا ایک بہت بڑا محرک یہی اندیشۂ انقلابات ہے، حالانکہ جنگ کو جتنی طوالت ہوتی جاتی ہے، اسی قدر انقلابات کا وقوع اور بھی یقینی ہوتا جاتا ہے، اور ہر شئے اسی نتیجہ کی طرف لیے جا رہی ہے،

متحاربین کے ذہن مین کوئی مقصد ہو یا نہ ہو، لیکن جنگ بہر حال اپنی ایک غایت لیکر آئی ہے، اور یہ وہ مقصد ہے، جس کا حصول متحاربین مین سے کسی کو عزیز نہین تاہم وہ غایت پوری ہو کر رہے گی، وہ صاف و سادہ غایت یہ ہے کہ فساد کے کہنہ شجر کو بیخ و بُن سے برباد ہو جانا چاہیے، معاشرت اقوام کی قدیم بنیادین منہدم ہو کر ان کے بجائے ایک بہتر و صحیح تر تمدن کی بنیاد پڑنا چاہیے۔ یورپ کی تلوار خود اسی کے اوپر برابر چلتی رہے گی، تاآنکہ ہر قوم کا قلب اس سے چھد جائے اور فساد کا وہ عفریت جو ہر قوم کے قلب کے اندر موجود ہے ہلاک ہو جائے،

مختلف اقوام کے درمیان صلح اسی طرح پر ہو سکتی ہے، لیکن یہ صلح یورپ کی اقوام اور حکومتون کے درمیان نہ ہوگی،

موجودہ حکومتین اگرچہ بجائے خود وہ امراض نہین، جن مین رعایا گرفتار رہے تاہم ان قومی امراض کے لیے وہ مظہر اور مادی قالب کا کام ضرور دے رہی ہین، ان امراض کی تجسیم و تشکیل حکومتین ہی کرتی ہین، اقوام کی پوشیدہ آواز ظاہر انھین حکومتون کے اعمال سے ہوتی ہے، اور قوم کو جس وقت اپنی حالت کا احساس ہوتا ہے، اور وہ تلافی مافات کرنا چاہتی ہے، اس وقت وہ ہر اس شئے کو جو اس کے دور سابق کی یادگار ہوتی ہے پارہ پارہ کر ڈالتی ہے۔ تحوّل دین کے وقت وہ جن اصنام، جن معبودانِ سابق کو ریزہ ریزہ کرنے لگتی ہے، وہ اگرچہ ذمہ دار و خطاوار نہین ہوتے تاہم ان کا پامال ہونا یقینی ہوتا ہی،

حکومتین اگر اس انتقام کی زد سے محفوظ رہنا چاہتی ہین، تو اس کی تدبیر صرف یہی ہو سکتی ہے کہ سب سے پہلے وہ خود ہی جدید صورت حال کو قبول کر لین، اقوام کی تکلیف و اذیت کے صحیح اسباب کا اعتراف کر لین، اور ان اسباب کا استیصال کر دین لیکن کیا۔ یورپ کی کوئی حکومت اس اصلاح کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے؟ اور بالفرض کوئی حکومت اس پر آمادہ ہو بھی تو دوسری حکومتون سے جو ناآباز رہتا ہے وہ کب اسے اس پر عمل کرنے دیگا؟

ایسی حالت مین بجز اس کے چارہ نہین کہ اقوام سررشتۂ عمل خود اپنے ہی ہاتھ مین لے لین اور وہ یقیناً ایسا کرین گی، جس روز انھین آج کی خفیہ کارروائیون کا علم ہو جائیگا

اِس وقت تک انھین جس واحد صداقت کا علم ہوا ہے، وہ میدان جنگ مین موت و ہلاکت کی صداقت ہے، اس کے علاوہ اب تک اُن سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ تمامتر مجموعہ اکاذیب ہے اکاذیب متعلق بہ اسباب جنگ، اکاذیب متعلق بہ رفتارِ جنگ، اکاذیب متعلق بہ نتایج جنگ، اکاذیب متعلق بہ ماضی و حال و استقبال، اکاذیب جن کا پردہ ایک روز حق و صداقت کے ہاتھون فاش ہو کر رہے گا۔

وہ وقت شام حسرت کا ہوگا، وہ شام ہوگی جو موجودہ جنگ کے روز روشن کا خاتمہ کرکے ایک دوسری جنگ برپا کردے گی، یا اس جنگ کو دوسرے قالب مین منتقل کردیگی اور وہ جنگ یقیناً سب سے آخری جنگ ہوگی، وہ جنگ اُن اسباب کے خلاف ہوگی، جو باعث جنگ ہوتے ہین، وہ جنگ اُن حالات کے مقابلہ مین ہوگی جو آفرینش جنگ کرتے ہین، ہلاک شدہ نفوس کے انتقام کا وہ وقت ہوگا۔ وہ شام، تمام ان چیزون کی زندگی کی شام ہوگی، جنھین جلد سے جلد فنا ہی ہونا چاہیے،

اگر صرف بدیہی واقعات و حقایق پر نظر رکھی جاے، تو بھی اس کے سوا اور صورت ہو کیا سکتی ہے؟

یورپ کی حکومتو! کیا تم آج جن فریب کاریون، شعبدہ بازیون مین آج اپنی اپنی رعایا کو مبتلا کیے ہوئے ہو، کل بھی ان پر پردہ پڑا رہے گا؟ کیا جس وقت تمھاری یہ فریب و ریاکاری کی تعمیر کردہ عمارت زمین پر آرہے گی، اور نتایج کھل جائین گے اسوقت بھی تم اپنی اپنی رعایا کی

آنکھون مین خاک ڈال سکو گی؟ آج وہ موت سے کھیل رہے ہین لیکن کل جب بساط جنگ الٹ جانے کے بعد وہ اپنے اپنے وطن آکر معیشت مین مصروف ہون گے کیا اس وقت بھی ان کی آنکھین نہ کھلین گی؟ اور پھر ان کا سامان معیشت کیا ہوگا؟ اور طرز زندگی کیا ہوگا؟

جس وقت ان خانمان بربادون کے خستہ و مضمحل قویٰ پر ایک ناقابل برداشت بار قرض ڈالا جائیگا کیا اس وقت بھی تم انھین دھوکے مین مبتلا رکھو گے؟ کیا ان کے اجسام مین جو کچھ بچا کھچا خون رہ گیا ہے جب وہ دیکھین گے کہ شدید ترین ٹیکس اسے بھی پسینہ کی شکل مین نکالے لیتا ہے، اس وقت بھی ان کے کان پر جون نہ رینگے گی؟ کیا آج جو ان پر ۵۰ ارب پاونڈ (۷۵ کھرب روپیہ) کا بار ہو چکا ہے، کل یہی تعداد جب مضاعف ہو جائیگی، اس وقت بھی وہ نہ چونکین گے؟

یورپ کی حکومتو! بتاؤ، آخر تمھارا انشا کیا ہے؟ کیا جس تودہ کے نیچے تم دبی جاتی ہو، یہ چاہتی ہو کہ تمھاری رعایا آکر اس کا بار سنبھال لے، اور تم بچ جاؤ؟ یا یہ کہ تم اور وہ دونون اس کے نیچے دفن ہو جائین؟ تمھاری جو کچھ بھی خواہش ہو لیکن تمھاری رعایا کے دل مین یہ ہے، کہ جس طرح تم اس کی لاشون کے ڈھیر کے اوپر کھڑے ہو کر رقصان ہو، اسی طرح تم سب بھی اسی تودہ کے اندر مدفون ہو جاؤ اور وہ تمھارے اس ہیبت ناک مدفن کے اوپر کھڑے ہو کر رقص مسرت کرے

کیا تم اپنی رعایا سے اس سیل بلا کا اصلی سبب حقیقی باعث، ہمیشہ مخفی رکھ سکتے ہو، جو بجز تمھاری ہوس زر، تمھاری نہ بجھنے والی حرص دولت، تمھارے حب جاہ، تمھاری خود بینی،

تمہاری شقاوت اور تمہاری قساوت کے اور کچھ نہیں؟

انہین ایک روز یہ علم ہو جانا بالکل قطعی ہے، کہ اصلی زہر جو انہین اندر اندر ہلاک کر رہا ہے یہی ہے، اور جب زہر کو انھون نے دریافت کر لیا، تو انہین اس سے کون قوت باز رکھ سکتی ہے کہ وہ اسے جلد سے جلد اپنے جسم سے نکال تھوکین؟

جب ان کی نظرون کے سامنے تمہاری وہ بین الاقوامی سیاسی بساط آجائے گی جس پر تم نے ہمیشہ ان کے جان و مال کو بطور مہرون کے استعمال کیا ہے، جب ان کے سامنے یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی، کہ جس شے کو حکومت کا لقب دیا گیا ہے، وہ محض ایک وہمی ہستی ہے؛ جو اپنے اغراض اور اپنی زندگی کے ضمانت نامہ پر ان کے دستخط خون سے کرالیتی ہے، جب ان پر یہ تمام اسرار آشکار ہو جائین گے، کہ طرق حکمرانی ہمیشہ ذاتی اغراض و منافع کے تابع رہے ہین، شاندار و پرجوش الفاظ سے انہین جانبازی پر آمادہ کر کے ہمیشہ بعض افراد کے مالی کاروبار مین اضافہ مقصود رہا ہے اور مقتولون کی کثرت تعداد کے تناسب سے ارباب حل و عقد کی دولت و ثروت جاہ و حشم مین اضافہ ہوتا رہا ہے، وہ وقت! آہ جس وقت یہ سارا طلسم باطل ہو جائے گا اُسوقت وہی غریب مخلوقات جو اس وقت کتون کی طرح للکار للکار کر باہم لڑائی جا رہی ہے، اُلٹ کر تمہارے اوپر جھپٹے گی اور تمہارے جسم کو نوچے گی اور پھاڑے گی۔ قومی خود غرضی و خود بینی کا وہ ہزار سر عقاب جو انہین اس وقت ہلاک کر رہا ہے، اس کے خلاف وہ سب مل کر جہاد پر آمادہ ہو جائین گے اور جب تک اس کی جان نہ لے لین گے چین سے نہ بیٹھین گے۔

غریب، ناواقف، بے خبر رعایا جو ہر فریب کا بہ آسانی شکار ہو جاتی ہے، وہ غلامون کا گلہ جسے قتل وغارت کے اکھاڑہ کی طرف ہانکا جا رہا ہے، ان مین سے کس کو لڑائی کی خواہش تھی ؟ یہ لڑائی مین گئے نہین، بلکہ لے جائے گئے، جن پر انھون نے اعتماد کیا تھا، انھون نے انھین منافقت ومنافرت کی زہریلی شراب پلا پلا کر مدہوش کر دیا، اور انھین دانستہ آگ مین جھونک دیا،

یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے جنگ مین شریک ہو گئے، اور اب جو ان کے آقا پچھلے دو سال سے ہزار ہا حیلہ تراشیان کر کے ان کی فلاکت کو دور کرنے کے مدعی ہو رہے ہین یہ سب لاحاصل ہے ان لوگون نے اب خود ان مسایل پر غور کرنا شروع کر دیا ہے، کہ آخر جب ہر ملک کی کثیر آبادی اپنے پر امن مشاغل مین مصروف رہنے کی خواہشمند ہے، تو انھین کون سر کے بل میدان جنگ مین ڈھکیل دیتا ہے ؟ وہ کون حضرات ہین اور ان کا اس سے مقصد کیا ہوتا ہے ؟ وہ کون حضرات ہین جو اپنے اخوان وابنائے جنس کے قتل وہلاکت کو اپنا مشغلۂ زندگی بنائے ہوئے ہین ؟

اقوام عالم بغیر ان سوالات کے جوابات کو سمجھے ہوئے میدان جنگ سے واپس نہ آئین گی، اور کس قوم کے پیش نظر آج یہ سوالات نہین ؟ یہ تو قطعی طور پر ابھی نہین کہہ سکتے ہ کہ اس زندہ جہنم (جنگ) کے تجربہ کے بعد ان کی نفسیت کیا ہو گئی ہے، تاہم اتنا یقینی ہے کہ واپسی کے بعد یہ لوگ وہ لوگ نہ ہون گے جو جنگ مین داخل ہوئے تھے، اب یہ لوگ خواہ ملایک ہو کر واپس آئین یا شیاطین بن کر، لیکن بہر صورت وہ اس کے دشمن ہو کر آئین گے جس نے یہ بلا اُن کے سر ڈالی تھی، اور اسے پامال کرنے مین تامل نہ کرین گے،

انھین آخران لوگون پر رحم کرنے کی وجہ کیا ہے، جو خود رحم ناآشنا ہین؟ اور جو اگر زندہ بچ گئے تو آیندہ نسل کو پھر اسی طرح کی حالت امن کے بعد اسی طرح کی مہیب جنگ، اور اسی قسم کے جہنم مین ڈھکیلین گے،

باب ششم

صبح سعادت

یہ ہے جنگ کی حقیقت، یہ ہے وہ حقیقت جس پر اس تلاطم و محشر اضطراب مین نظر پڑنی چاہیے، اور جس کا اعلان اس ہنگامہ و غلغلۂ حوادث کے باوجود کرنا چاہیے،

اس جنگ مین اگر اصلاح مستقبل کی غایت پوشیدہ نہین، تو ماننا پڑیگا کہ یہ جنگ بے معنی و لاحاصل رہی،

ظاہر ہے کہ جنگ کا مقصود کسی فریق کی جانب سے سیاسی آزادی کی تحریک نہین ہو سکتی، اس لیے کہ ہر فریق کے ہان مساوی درجہ کی شہنشاہیت و استبداد کے نظایر موجود ہین، خواہ ان کا تعلق اندرون ملک سے ہو یا ہوس استعمار سے۔ "زار" (روس) کی مطلق العنانی کس منہ سے "قیصر" (جرمن) کی خودسری پر اعتراض کر سکتی ہے؟ جرمنی کا تشدد و استبداد کس منہ سے انگلستان و فرانس کی ہوسناکیون پر طعنہ زن ہو سکتا ہے،

اسی طرح ظاہر ہے کہ جنگ کی محرک کوئی مذہبی عصبیت نہین ہو سکتی، اس لیے کہ پروٹسٹنٹ، کیتھولک دونون فرقے خود اپنے ہی ہم مشربون سے جنگ کر رہے ہین، اور مسلمانون کی کچھ تعداد ایک فریق کی شریک ہے اور کچھ دوسرے کی، غرض ہر مذہب خود اپنے ہی پیروون سے دست و گریبان ہو رہا ہے،

تو کیا نسلی تفریق کچھ اپنا کام کر رہی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اس کی کیا وجہ ہے کہ بالکل

غیر واجبی قومین تو ایک رشتۂ اتحاد مین منسلک ہین اور آپس کی اور قرابت دار قومین ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی ہین؟ اور دول متحاربہ کے سلاطین تو (بہ استثنار سلطان ترکی) سب ایک ہی خاندان کے ہین،

پھر کیا اقتصادی فوائد پیش نظر ہین؟ یہ کیونکر ممکن ہے، درآنحالیکہ ہر شریک جنگ قوت کی بربادی یقینی ہے، اور ظاہری نفع اگر کسی کا ہے تو ناطرفدارون کا،

ان مین سے کوئی شے بھی نہ سہی، پھر آخر کیا جنگی روح کام کر رہی ہے؟ اگر ایسا ہی، تو اس مہلک محاربہ کا، جس مین آخر وقت تک ہر فریق اپنی کامیابی کا مدعی رہے گا، صرف ایک ہی انجام ہونا ہے، یعنی سب کی شکست،

اصلی سبب کے لئے ذرا اور دقت نظر سے کام لینے کی ضرورت ہے، اُس ڈراما کے عقب مین جو اس وقت ہو رہا ہے، ایک اور دسیع تر ڈراما ہے، جو رفتہ رفتہ اسٹیج پر نمودار ہو رہا ہے، ہجوم مرئیات کے عقب مین یہ جنگ درحقیقت غیر مرئیات کی جنگ ہے، یہ وہ جنگ ہے، جو نظام قدیم خود اپنے اوپر کر رہا ہے اور خونریزی و غداری کی طاقتون کو ایک دوسرے سے الجھا کر ان سب کو فنا کر رہا ہے،

یہ منظر بھی قابل دید ہے کہ یورپ کو صدیون کی عظمت و اقتدار کے بعد آج مظلوم و محکوم قومون کی خدمت مین اپنے مظالم کا کفارہ کرنا پڑ رہا ہے،

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ شعلہ یورپ نے اپنے ہاتھون بھڑکائے ہین تاکہ ان کے

اندر سے گذر کر صفائی وتزکیہ حاصل کرے، اور اپنی موت کا خود سامان کیا ہے تاکہ فنا ہو کر قلب ماہیت کے ساتھ حیات تازہ حاصل کرے،

اُس یورپ کے ماورا جو اس وقت فنا ہو رہا ہے، ایک دوسرا یورپ بھی ہے جو سامان حیات فراہم کر رہا ہے، وہ ایک مبارک وبابرکت مستقبل کے لیے آج اپنی دولت وثروت نثار کر رہا ہے اور اپنے خون کی قربانی دے رہا ہے،

اور اگر ایسا نہین، تو یہ شام حسرت اس شب بلا کا مقدمہ ہے، جس کا ہر مردہ قوم اور ہر بیہودہ تمدن پر طاری ہونا لازمی ہے، ہان وہ شب تار جس کی تاریکی موجودہ تاریکی سے کہین زیادہ مہیب ہوگی،

اس دور انقلاب تلاطم نے یورپ کے سامنے دو راستہ انتخاب کے لیے پیش کر دئے ہین، اس کا جی چاہے تو قعر ذلت وپستی نکبت وادبار کے تحت الثریٰ کو قبول کرے اور یا گزشتہ زندگی سے تائب ہو کر اصلاح کی راہ اختیار کرے، جس شارع عام پر چلنے کا وہ اب تک خوگر تھا اسے دنیا کے زلزلۂ عظیم نے بند کر دیا ہے، اب ممکن صورتین دو ہی ہین، یا وہ صبح سعادت وعروج کی جانب صعود کرے اور یا شب شقاوت کی انتہائی تاریکیون اور گہرائیون مین گرنا قبول کرے!

صبح سعادت کا طلوع! اگر یہ صبح سعادت یوم گزشتہ کی بازگشت نہ ہوگی یہ روشنی وہ ہوگی جس سے دنیا ابھی تک نا آشنا ہے، یہ وہ مستقبل ہوگا، جو ماضی سے بالکل مختلف ہوگا، اب تک

مستقبل ہمیشہ ماضی کا تتمہ ہی رہا ہے، لیکن ابھی جس وقت تک ظلمت ماضی کا شایبہ باقی رہے گا، صبح سعادت کا طلوع نہین ہو سکتا،

اس ظلمت سے باہر آنے والی سب سے پہلی کون قومین ہونگی ؟ ممکن ہے یہ وہی قومین ہون جو اس ہنگامہ و فساد کی اصلی باعث ہوئی ہین، یا کم از کم وہ قومین، جو اس عام شکست و تباہی سے سب سے پہلے سبق حاصل کرین گی،

یہ تباہی و بربادی سب کے لیے عام و مشترک ہوگی، اس کا بار سب کو کچلتا رہے گا، تا آنکہ جو روح اس وقت سب مین کام کر رہی ہے، وہ نادم و تائب ہو۔ موت و ہلاکت کا پنجہ برابر انہین اپنی گرفت مین رکھے گا تا آنکہ وہ اپنی زندگی کے لیے کوئی بہتر اصول، اپنے وجود کے لیے کوئی پاکیزہ تر قانون تسلیم کرین،

قومون کے سامنے جو مسئلہ ہمیشہ رہا ہے، وہی اب بھی رہے گا، یعنی آیا وہ اپنی موجودہ حالت پر قائم رہین گی اور جو کچھ اس وقت گذر رہی ہے وہی گزرتی رہیگی، یا یہ کہ اپنے باطن کی گہرائیون مین اصلاح قبول کرین گی،

اصل مسئلہ یہ نہین ہے کہ طرز زندگی مین بعض سطحی تغیرات کر دئے جائین یا بعض خارجی و اندرونی شیوہ ہائے کہن مین تبدیلیان کر دی جائین، تمام دنیا مین جو تلاطم برپا ہے اس کا مقصود یون نہین پورا ہو سکتا، کہ بعض سیاسی یا انتظامی تغیرات کر دیے جائین، یا آئین ملک یا عہدیدارون کی فہرست مین جزئی ترمیمات کر دی جائین، قومون کی قسمتون کا رخ پھیر دینے کے لیے یہ چیزین کافی نہین،

اگر اشیاء مین تغیر نہ ہوا، تو محض اشخاص کے تبادلے سے کیا نتیجہ؟ اسی طرح اگر اشخاص اپنی اپنی جگہ پر بدستور قائم رہے تو اشیاء مین تغیر و ترمیم کر دینے سے کیا حاصل؟ اشیاء و اشخاص دونو کی روح مین تغیر پیدا کرنے کی اصل ضرورت ہے، ہر قوم کی روح کی قلب ماہیت اور سب کے قلوب مین ایک جدید نظام کائنات کا احساس پیدا ہونا لازمی ہے،

ہر قوم مین کچھ نفوس ایسے ہین جو عام اژدہام مین گُم ہین، جن مین اس کائنات جدید کا احساس ہے، ان کا تعلق گذشتہ صدی سے نہین، وہ گویا مستقبل کی پیداوار ہین،

یہ نفوس تعداد مین بہت ہی قلیل ہین لیکن بہت سے ایسے ہین جو دور سے ان کی پیروی کر رہے ہین، اور روز بروز ان کے قریب آتے جاتے ہین، بہت سے افراد ایسے ہین، جن کی خود فریبیوں کا طلسم باطل ہو چکا ہے، اور جن کے دلون سے نفرت و بغض کے نقوش رخصت ہو رہے ہین۔ وہ اپنے اندر ایک غیر متوقع صبح سعادت کی ہلکی شعاعون کا نور پا رہے ہین، امتداد زمانہ کے ساتھ ان کی تعداد مین بھی اضافہ ہو رہا ہے، یہان تک کہ کل ہر قوم عبارت انھین افراد کی جماعت سے ہو گی،

اس قسم کے افراد کو باہم متحد ہو جانا چاہیے، ایسے افراد ہر قوم مین پائے جاتے ہین، جو ایک ہی روحانی مادر وطن کے فرزند ہین، ان سب کو اس مقصود کے لیے متحد ہونا چاہیے کہ اعضا شکستہ یورپ کو عمیق غار سے باہر نکالین، انھین اس غرض کے لیے متحد ہونا چاہیے کہ یورپ گزشتہ کے ڈھیر سے یورپ آیندہ کی تعمیر کرین، اور اگر یورپ جدید کو ابھی ان کی

اصدا پر لبیک کہنے مین تامل ہو رہا ہے، تو انھین چاہیے کہ اپنے پیغام اعظم کی تبلیغ ان ممالک مین کرین جہان اب بھی خلوص کا وجود باقی ہے، آفتاب صبح سعادت کے آگے ڈنڈوت مشرق ہی مین کرتے رہنا چاہیے، تا آنکہ اس کی شعاعین مغرب کو منور کردین،

ہر قوم مین کچھ افراد ایسے ہوتے ہین، جن کا تعلق کسی ایک مخصوص قوم سے نہین ہوتا۔ وہ نوع انسانی کے خدمتگزار ہوتے ہین۔ وطنیت کے فرض سے بڑھکر وہ انسانیت کے فرض کو تسلیم کرتے ہین، نوع انسانی اس وقت اپنی محنت کے صلہ کے لیے اور اپنی مظلومیت کی دادرسی کے لیے انھین اشخاص کی طرف آنکھین لگائے ہوئے ہے،

کہان ہین یہ افراد؟ اب اٹھین، اور دنیا کے سامنے قانون عدل کی منادی کرین جس طرح یہ قانون خاندانون کے درمیان عامل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح آیندہ اس قانون کو اقوام کے باہمی تعلقات پر بھی حاکم رہنا چاہیے یہ قانون جس طرح ایک قوم کے مختلف افراد کے درمیان امن و آشتی قایم رکھتا رہے، اسی طرح اسے دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان عامل ہونا چاہیے، ان سب کو متحد ہو کر ایک صلح انسانی مرتب کرنا چاہیئے۔ یہ آگے بڑھین اور ماضی کے عہد اور مستقبل کی تمنا کو پورا کر دکھائین!! اس وقت تمام امم سابقہ و آتیہ، تمام اگلی اور پچھلی نسلون کی نظرین اسی موجودہ نسل پر پڑ رہی ہین، صدیون کی آرزوے دیرینہ کا پورا کرنا اسی موجودہ نسل کے ہاتھ مین ہے، اور اس عظیم الشان تلاطم کے بعد جس کی نظیر تاریخ کائنات مین نہین ملتی، وہ "آرزوے دیرینہ" کیا ہے؟ وہ آرزو، اس صبح سعادت کے طلوع کی آرزو ہے جس کی روشنی اب تک کبھی عالم انسانی پر نہین پڑی ہے،

حصۂ دوم

باب (۱)

قانونِ اقوام

خوشی سے ہو یا ناخوشی سے، بہرحال صورت واقعہ یہ ہے کہ تمام قومین روے زمین پر الگ الگ آباد ہین، اور ہر قوم مجموعہ انسانیت کی ایک فرد ہے، جو اپنی ایک مستقل شخصیت اور جداگانہ ہستی رکھتی ہے،

بدقسمتی سے ان اجتماعی ہستیون کے نفس نے ابھی حیات وشعور حیوانی سے آگے ترقی نہین کی ہے، ان کی باہمی معاشرت اب تک ایک جماعت کی صورت پیش کررہی ہے، مگر کس کی جماعت؟ افراد انسانی کی نہین، بلکہ وحشی جانورون کی، ان مین جو سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہین ان کی حیثیت شکاری جانورون سے زائد نہین،

یہ حقیقت اپنے اندر ایک خاص معنی رکھتی ہے، کہ ان قومون نے جو اپنے نشانات اور پھریرے مقرر کیے ہین، وہ خونخوار حیوانات ہی کے ہین[۱]، مثلاً شیر، عقاب، ریچھ، تیندوا، یا ایسے جانور جو قوت مین کم سہی، تاہم جنگجوئی مین کم نہین، مثلاً مرغ،

اسوقت تک جو قانون، اقوام کے باہمی تعلقات پر عامل رہا ہے، وہ درندون کا قانون ہے، یعنی طاقت کا قانون، یا جنگ کا قانون۔

---

[۱] برطانیہ کے جھنڈے پر شیر کی تصویر ہے، جرمن کے جھنڈے پر عقاب کی، روس کے علم پر ریچھ کی، ۱۲

وقت آگیا ہے، کہ اب یہ اجتماعی ہستیان حیوانیت کی سطح سے گزر کر انسانیت کے مرتبہ پر آئین اور انسانی اخلاق پر عمل کرین،

افراد اور اقوام کے لیے قانون اخلاق ایک ہی ہے، ہر قوم کو اپنے تئین اسی نظام اخلاق کا پابند رکھنا چاہیے، جس کی پابندی کی توقع وہ افراد سے رکھتی ہے، جو شے فرد کے لیے جرم کا حکم رکھتی ہے، وہ ملک و قوم کے لیے بھی جرم قرار پانا چاہیے، خود غرضی، حرص و طمع، غصب اموال، تشدد، اور قتل، اگر افراد کے لیے شدید ترین معاصی ہین تو جماعت و قوم کے لیے بھی ان افعال کو مساوی درجہ کے معاصی قرار دینا چاہئے، آخر قومی شرافت کا معیار شخصی شرافت سے مختلف کیون ہو؟ اور اگر کوئی قوم قتل و غارت، بدعہدی و تشدد سے علانیہ اپنی بے عزتی و پستی کا ثبوت دے چکی ہے، تو کیا اسلحہ کی مدد سے وہ عزت و بلندی قائم رکھ سکتی ہے؟ جسطرح فرد کی عزت اس کی طاقت جسمانی پر مبنی نہین، اسی طرح قوم کی بھی نہین ہو سکتی، فرد و قوم دونون کی عزت کا اصلی معیار یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت کو کیونکر اور کن مواقع پر استعمال کرتی ہے؟ عزت دولت پر مبنی نہین، بلکہ اس کا صحیح معیار یہ ہے کہ دولت کا حصول و صرف کیونکر ہوتا ہے، عزت کے معنی یہ نہین کہ دوسرے ہمارے محکوم ہون، بلکہ یہ کہ خود ہمارا نفس ہمارا محکوم ہو، عزت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان مین عظمت نفس اور دوسرون کی تعظیم و تکریم ہو،

باعزت افراد ہر قوم مین موجود رہتے ہین، بااین ہمہ ہر قوم اپنی بے عزتی و ذلت اپنے ہاتھون کرتی رہتی ہے، آخر کس دن قومون کو اس کا احساس ہو گا، کہ جو چیزین انہین

ذلیل و پست کرنیوالی ہین، ان پر وہ فخر کر رہے ہین،

فرد کے لیے اخلاق نے قانون یہ مقرر کیا تھا کہ اسے وہ عمل کرتے رہنا چاہیے جس کی نظیر کو سب قبول کر سکین، یہی ضابطہ اخلاق قوم کے لیے بھی ہونا چاہیے، گویا قوم کو ایسے ہی اعمال کرتے رہنا چاہیے، جو افراد کے لیے قابل تقلید ہون،

اگر اس اصول کی صحت سے انکار ہے تو کس حق سے ہر قوم اپنے ہان کے مجرمون کو قابل تعزیر قرار دیتی ہی، اور کسی کو مجرم ہی قرار دینے کا اسے کیا حق ہے؟ کیونکہ یہ نام نہاد "جرایم" تو وہی ہوتے ہین، جن کا ارتکاب قوم علانیہ کرتی رہتی ہے، حب جاہ، خود غرضی، ریاکاری، غصب اموال وغیرہ ہر قوم جو خود ارتکاب جرایم کرتی رہتی ہے، اس کی مستحق ہوتی ہے کہ اسی تناسب سے اس کے ہان جرایم پیشہ افراد کی تعداد ہو،

دنیا مین اس کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے، کہ کوئی باشندہ ملک اپنے ملک سے زیادہ دیانتدار ہو! پھر آخر یہ کیا ہے، کہ افراد ان جرایم کی سزا بخوشی قبول کر لیتے ہین، جن کا ارتکاب ان کا ملک و وطن علانیہ و فخریہ کرتا رہتا ہے! اور ملک و وطن کو کیون کہا جائے زیادہ صحیح طور پر یہ کہنا چاہیے، کہ جن افعال کا ارتکاب طبقہ حکمران، وطنیت و فواید قومی کا نام لے کر برابر کرتا رہتا ہے، انھین رعایا اپنے لیے جرایم کس بنا پر قبول کرتی ہے؟

تقلید و اتباع کے لیے خود سلطنت کو اپنا اسوہ حسنہ پیش کرنا چاہیے، اگر کمزور پر طاقت آزمائی کرنا، اور غیر مسلح پر ہتیار اٹھانا ایک فرد کے لیے ننگ و کمینگی ہے تو یہی

تو پھر اقوام کی ان حرکتوں پر کیون نہ صادر ہونا چاہیے،

اگر اپنے ہمسایہ پر جاسوس بنے رہنا، اپنے میزبان سے بدعہدی کرنا اور اپنی بات کا ذرا پاس نہ کرنا، افراد کیلئے کم ظرفی و ذلت کا موجب ہے، تو اقوام کو ان حرکتون کے بعد ان القاب سے کیون مستثنیٰ رہنا چاہیے؟

اگر تخویف یا خداع سے نفع حاصل کرنا، یا کسی کا مال غصب کر لینا، افراد کے لئے ناجائز ہے تو اقوام کے لیے ان حرکتون کا جواز کہان سے ثابت ہو جائے گا؟

ہر فرد پر بشرطیکہ وہ اپنے ملک و وطن کا درد رکھتا ہے، واجب ہے، کہ اس طرح کے اعمال و افعال سے اپنا دامن ہمیشہ الگ رکھے، اور ان کے ارتکاب یا اعانت کسی شے مین کسی طرح نہ شریک ہو، خواہ اس کے سامنے منصب سفارت ہی کی رشوت کیون نہ پیش کی جائے،

وطنیت یا وطن پرستی کا نام آج ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اور یہی ہونا بھی چاہیے، لیکن وطنیت کو معزز و بلند کرنا چاہیے، اس کے مرتبہ مین دناءت دستی نہین، بلکہ شرافت و بلندی پیدا کرنا چاہیے، ورنہ اس وقت تو عموماً وہ ایک پست و ذلیل شے ہے،

ہر فرد کو مادر وطن سے محبت کرنا چاہیے، لیکن کون شخص اسے پسند کرے گا کہ اسکی ماں ظالم، شقی، متغلب، یا دروغ گو و سارق ہو؟

برایں ہم آج ہر ملک میں ایسے مدعیان حب وطن موجود ہیں، جو اپنے ملک کی کامیابی و عظمت سب سے زیادہ احساس اس وقت کرتے ہیں، جب ان کی مادر وطن دوسرے ملکوں کے مقبوضات و علاقہ جات پر غاصبانہ قبضہ کرلیتی ہے، یا کمزوروں کو قتل و غارت کرچکی ہوتی ہے، اور پھر ان آبادیوں کو جن کے پاس کافی قوت اسلحہ موجود نہیں اپنے حلقہ غلامی میں لے آچکتی ہے، ان "محبان وطن" ان ارباب حل وعقد قوم کے چہرہ اس وقت فخر و مسرت سے چمکتے ہوتے ہیں، جب کہ ان کی مادر وطن ان جرایم کا ارتکاب کرچکی ہوتی ہے جو اگر خود ان کی اولاد سے سرزد ہوئے ہوتے، تو مارے شرم و غیرت کے وہ کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہ رہتے!

سچی محبت وطن کا یہ ہرگز مفہوم نہیں، سچی وطن دوستی ہرگز یہ نہیں، کہ شکاری کتوں کی طرح برابر اہل وطن کو دوسروں پر حملہ آور ہونے کے لیے للکارا جاتا ہے، اور نہ یہ ہے کہ جب وہ نیا شکار منھ میں دابے ہوئے واپس آئیں تو ان کی پشت پر تھپکیاں دی جائیں،

حقیقی محبان وطن کی شناخت یہ ہے کہ جن افعال سے دوسروں کے جذبہ فخر و غرور کو تحریک ہوتی ہے، ان پر ان کی آنکھیں نیچی ہوجاتی ہیں، ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا ملک جب کوئی ناجایز نفع حاصل کرتا ہے، تو ان کے آنسو نکل آتے ہیں، ان افعال سے ان کی نظر میں وہ برتر نہیں بلکہ مفلس تر ثابت ہوتا ہے، جو حقیقی حسن و ثروت سے معرّی اور محض افلاس اخلاقی کے چیتھڑوں سے ملبوس ہے،

یہ سچے محبان وطن کہاں ہیں؟ انھیں اپنے اپنے مادر وطن کے ساتھ اس درجہ محبت ہونی چاہیے کہ یہ اس میں کسی قسم کی خامی یا لغزش گوارا نہ کرسکیں، اس کی پستی و ذلت کی کوئی

بات ہی برداشت نہ کرسکین، اور میدان جنگ کے گرد وغبار کے ساتھ اس کے چہرہ پر خون کی چھینٹین اڑکر پڑنا کسی حالت مین بھی نہ قبول کرین،

یہ اصول بالکل بدیہی وابتدائی ہین، ان موٹے موٹے ضوابط اخلاق پر غامض مسائل کی طرح غور وخوض کرنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ ہم ابھی دور توحش مین ہین تاہم اصلاح کا آغاز بالکل ابتدا سے کرنا چاہیے، اور ترقی کا سنگ بنیاد رکھنا چاہیے، اس شاہراہ پر پہلا قدم آج ہی پڑنا چاہیے،

جو تعلق فرد کو خاندان سے ہوتا ہے، خاندان کو شہر سے، شہر کو صوبہ سے اور صوبہ کو ملک سے، وہی تعلق اب ملک کو مجموعۂ ممالک (دنیا) سے ہونا چاہئیے، ملک کو صرف اپنی ہی زندگی کی نہین بلکہ اس سے زاید کی بھی پروا ہونا چاہیے، افراد واقوام دونون کے لیے یہی اخلاق کا صحیح قانون ہے، اور یہی فلاح ونجات کا سیدھا راستہ ہے،

یورپ کو تو سبق مل چکا ہے، لیکن آیندہ سے ہر قوم کو یہی سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ نجات کے اس راستہ کے علاوہ باقی جتنی راہین ہین، وہ سب بربادی وہلاکت کی طرف سے جانے والی ہین،

باب ۲

فریضۂ اقوام

فرد و قوم کی عظمت ہمیشہ اس نصب العین کی عظمت کے متناسب ہوتی ہے، جو اس کے پیش نظر ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے مطابق عملدرآمد بھی ہوتا ہو، یہ شرط اس لیے ضروری ہے، کہ نصب العین عموماً محض ایک زبانی دعوے کا نام ہوتا ہے اور عملدرآمد اس کے برعکس ہی ہوتا ہے،

اس دنیا کا جو اس وقت فنا ہو رہی ہے، نصب العین کیا تھا؟ جہان تک زبانی دعوؤنکا تعلق ہے، اس سے زیادہ شریفانہ اصول سے دنیا کی تاریخ ناواقف ہے "حریت" "عدل"، "سائنیس" "ترقی" "تمدن"، یہ الفاظ ساری فضامین گونج رہے تھے لیکن اگر عمل پر نظر کیجئے تو اب سے پست تر قعر انحطاط مین بھی دنیا کبھی نہ تھی،

ان قومون نے جو اپنی عظمت کی مدعی ہین، "حریت" سے متعلق اپنا عمل کیا رکھا؟ یہ کہ اسے صرف اپنے لیے مخصوص و محدود کر لیا، اور جن قومون کی زبانون پر سب سے زیادہ ترانہ حریت رہتا ہے، وہی عملاً دوسرون کی حریت سلب کرنے مین سب سے پیش پیش رہتی ہین، ان کی اصطلاح عمل مین گویا آزادی کے معنی یہ ہین، کہ انھین ساری دنیا کو اپنی غلامی مین لانے کی "آزادی" حاصل رہے،

"عدل" کا دعویٰ انھون نے کیونکر نباہا؟ یون کہ اپنے مقاصد و اغراض کو ہر طرح

محفوظ و مضبوط کر لیا، اور دوسرون کے حقوق کے جواز و عدم جواز کا معیار محض مدارج قوت کو قرار دیا،

"سائنس" سے انھون نے کیا کام لیا؟ یہ کہ اسے اپنی ہوسناکیون کا آلہ بنا لیا اور تاریخ مین اپنے متعلق یہ فقرہ ثبت کرا دیا، کہ انھون نے بہت کچھ علم حاصل کیا، لیکن اسے برائی ہی مین صرف کیا،

"ترقی" کے انھون نے کیا معنی لیے؟ ایک قالب بے روح، اور ان کی خود غرضیون اور جذبۂ حب جاہ کی تسکین کا ایک مادی آلہ،

"تمدن" سے انھون نے کیا مراد لی؟ دھوکے کی ٹٹی، فریب و ریاکاری کا ایک جال اور ان کے اسلحۂ آتشین کے استعمال کے لیے ایک سند جواز،

"انسانیت" کا انھون نے کیا مفہوم قرار دیا؟ جلب منفعت کی منڈی، سودخواری کا کاروبار، کمزور و ناتوان قومین بھی گویا جایداد منقولہ تھین، کہ جب جی چاہا بہ آسانی ان کا بیع و شری کر دیا، یا مویشی تھے کہ اپنی غذا کی ضروریات کے لیے انکی پرورش کرتے رہے،

انھین بد اعمالیون کا یہ نتیجہ ہوا، کہ ان مقدس الفاظ کا نور قتل و خون کے سرخ شعلون مین تبدیل ہو گیا

اب تک قومون کا نصب العین حصول اقتدار رہا ہے، مگر یہ نصب العین ہمیشہ پست رہا، اس لیے کہ اس اقتدار سے محض مادی اقتدار مقصود تھا، جو شے شمار و حساب مین نہ آسکتی وہ کسی شمار و قطار مین نہ تھی،

یہ لوگ اس تمنا مین رہے، کہ قوت و ثروت کے ذریعہ سے عظمت و اقتدار حاصل کرین، ہان وہ قوت جو روپیہ کے زور سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ روپیہ جو قوت کی مدد سے حاصل

ہو، انھون نے اپنے مقبوضات کی وسعت وکثرت کی بنا پر بڑائی حاصل کرنا چاہی، اس خیال سے کہ مقبوضات کی تعداد، قوت وثروت دونون پیدا کرتی ہے یہی سمجھ کر انھون نے اپنے مقاصد اپنے اغراض پر ہر شے کو قربان کرنا شروع کیا، یہان تک کہ بالآخر اپنی جانون کو بھی قربان کردیا، "تسخیر ممالک وحکمرانی اقوام" ان دو لفظون مین ان کے سارے پروگرام کا خلاصہ تھا، اور اس کے مطابق انھون نے پورا عمل کیا، یہان تک کہ پورے کرۂ ارض کو انھون نے باہم تقسیم کرلیا، اس کے بعد پھر کیا شے باقی رہ سکتی تھی؟ ہان ایک شے تھی یعنی حصہ دارون کی تعداد کم کردی جائے، اور ہر حصہ دار دوسرے کا حصہ بھی خود ہی لے کر پیشتر کے مقابلہ مین بہت بڑا ہو جائے، چنانچہ اس وقت یہی ہو رہا ہے،

جس وقت تک دنیا مین ایسی قومون کا وجود باقی ہے جن مین حدود مادی کی توسیع کی اسی قدر ہوس وآرزو ہے، وہ ایسا کرتی رہین گی، یہان تک کہ اگر سب مٹ مٹا کر کل دو ہی قومین باقی رہ جائین، تو ان کی بھی ایک دوسرے کو فنا کر دینے کی کوشش اسی طرح جاری رہیگی، مگر کیا یہ حال کا تجربہ ان کی آنکھین کھولنے کے لیے کافی ہے؟ کیا یہ سبق ہمیشہ دہرایا جاتا رہیگا؟ دنیا مین اب تک کتنی متمول، پر قوت، وفاتح سلطنتین گزر چکین ہین، جن کے مٹے ہوئے آثار پر موجودہ قومون نے بھی گرم خرامی کی کوشش کی، کیا اب ان کی سمجھ مین آجائے گا کہ حب جاہ وطمع زر کا یہ اندھا جوش انھین کہان لیے جا رہا ہے،

یہ دنیا جو اس وقت فنا ہو رہی ہے، اس نے اقلیم مادہ کی تسخیر کی، یہان تک کچھ مضائقہ نہ تھا، اقلیم مادہ کو بھی انسان کے تصرف مین رہنا چاہیے، لیکن چونکہ اس دنیا نے اپنا منتہائے

نظر اسی عالم مادیات کو بنالیا، اور اس خاکدان مادی کے دایرہ سے قدم بڑھانا گناہ سمجھا، نیتجہ یہ ہوا کہ اسی کی ٹکر نے اسے چکنا چور کر دیا، فطرت کا مقصد یہ تھا کہ قومین اپنا قدم آگے بڑھائین اور بلند تر مرتبہ پر پہنچین، چنانچہ اب بھی جو قومین فطرت کے اس حکم کی تعمیل پر آمادہ ہون گی، انھین کے بچنے کی امید ہوسکتی ہی،

عظمت کا صحیح معیار رقبہ کی وسعت نہین حقیقی عظمت مادی پیمایش و مساحت کی شئے نہین نشو و نما بے شک قومون کا نصب العین ہونا چاہیے لیکن یہ نمو بلندی مین ہونا چاہیے، نہ کہ طول و عرض مین۔ بالیدگی اس خطۂ زمین مین نہین جو کسی قوم کے زیر نگین ہوتا ہے، بلکہ ان افراد مین ہونا چاہیے، جن سے قوم مرکب ہوتی ہے۔ اضافہ ان افراد کی تعداد مین نہین، بلکہ ان کی قیمت، ان کی وقعت ان کی حیثیت مین ہونا چاہیے، سب سے بڑا ملک وہ ہے جس کے حدود خواہ وسیع ہون یا مختصر، مگر جس مین انسانیت حد کمال کو پہنچی ہوتی ہے،

کون شخص ایسا ہے، جو اپنی سکونت کے لیے ایک نہایت مختصر مگر شریف الاخلاق و پُرسکون ملک کو ہماری موجودہ وسیع و عظیم الشان اور نوآبادیان رکھنے والی سلطنتون پر نہ ترجیح دے گا؟ کون شخص ایسا ہے جو فلاطون کے ایتھنز[1] (اثینیہ) کو عہد

---

[1] فلاطون کے زمانہ تک یونانی حکومت، چھوٹی چھوٹی ریاستون پر مشتمل تھی جن کا رقبہ ایک ایک شہر کا ہوتا تھا، ان مین سب سے زیادہ مشہور ایتھنز کی ریاست ہی یہ وہی شہر ہی، جو آج یونانی سلطنت کا پایہ تخت ہے، م

کلیگولا[1] کے رومہ پر ترجیح نہ دے گا،

لیکن قوموں کا مطمح نظر جس طرح رقبہ و وسعت حدود نہ ہونا چاہیے، اسی طرح مال و دولت بھی نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ ترقی و کمال کا حقیقی معیار زر و مال نہین، قوم کی اصلی دولت وہ سونا نہین جو چمکتا ہے، بلکہ اس کے افراد کی وہ خوش دماغی ہے جو سارے عالم کو منور کرتی ہے، قومی تمول کا معیار یہ ہے کہ وہ دوسرے کے سرمایہ مین کس حد تک اضافہ کرتا ہے، قوم متمول اس وقت ہوتی ہے، جب وہ ترقی کا کوئی جدید راز معاشرت کا کوئی بلند اصول دریافت کرتی ہے، کسی قوم کے متمول ہونے کے یہ معنی نہین کہ اس کے پاس ان چیزون کا کافی ذخیرہ ہو جو دنیا مین پیشتر سے موجود تھین، بلکہ یہ مفہوم ہے کہ وہ ان جدید چیزون کی تخلیق کرے، جو اس وقت تک دنیا مین نہ تھین، نسل انسانی کے فواید و منافع مین اضافہ کرے اور انسانیت کے احساس کو ترقی دے،

علی ہذا اقتدار بھی قوم کا مطمح نظر نہ ہونا چاہیے، اصلی اقتدار وہ ہے جو انسان کی مسرت و راحت مین اضافہ کرے، مادّی قوت کی نمایش، اقتدار کا صحیح معیار نہین، حقیقی تسخیر، پایدار تسخیر، نفس و روح کی تسخیر ہے، حقیقی قوت روشنی کی قوت ہے قوم کی حقیقی شان و شوکت کا معیار یہ ہے کہ وہ دنیا مین روشنی پھیلانے مین کس حد تک معین ہوئی ہے،

قوت، ثروت، و وسعت رقبہ بیشک مفید و قابل قدر چیزین ہین، مگر اسی وقت تک کہ جب تک فریضۂ انسانیت کی ماتحتی مین ان سے کام لیا جائے اور مختلف اقوام کا باہمی

[1] کلیگولا، رومہ کا حریص و پر ہیبت و سفاک تاجدار، اسکے زمانہ مین رومی شہنشاہیت کا طنطنہ تمام عالم مین مسلم تھا،

رشک ورقابت صرف اسی حالت مین کار آمد ہو سکتا ہو، جب اس فریضہ انسانیت کی تکمیل کے لیے باہم مسابقت ہو،

قومون کا مطمح نظر، خودغرضی کی ضد، بے غرضی ہونا چاہیے، کیونکہ یہی بے غرضانہ مطمح نظر حقیقتہً مقاصد و اغراض کے حق مین سب سے زیادہ مفید ہوگا،

مطمح نظر کے معنی یہ ہین کہ مستقبل اسے پورا کرنا چاہتا ہے، آج کا مطمح نظر کل ایک حاصل شدہ شے بن جاتا ہے، اس بنا پر جو قوم اپنے مطمح نظر کے پورا کرنے پر جتنا زیادہ متوجہ ہوتی ہے، اسی قدر وہ گویا مستقبل سے زیادہ اتحاد پیدا کرتی جاتی ہے، اور خود اپنے مستقبل کو مستحکم بناتی جاتی ہے، وہ جس قدر ان چیزون پر عمل کرتی جاتی ہے، جن کا نام حریت، عدل وترقی رکھا گیا ہے، اسی قدر اپنا مقصد وجود پورا کرتی جاتی ہے۔ اسی طرح جو قوم ان چیزون کو بھلا دیتی ہے، ان حقایق کو پس پشت ڈال دیتی ہے، اور محض خودغرضی ونفس پرستی کو اپنا مقصود حیات سمجھنے لگتی ہے وہ روز بروز مستقبل سے دور ہوتی جاتی ہو، بلکہ اس سے متصادم ہو جاتی ہے، اس تصادم کا نتیجہ صرف ایک ہی ہوتا ہے، یعنے بڑی زبردست قوم کو بھی بالآخر شکست وموت ہی نصیب ہوتی ہے، یہی سبب ہو کہ دنیا مین کتنی شہنشاہیان قایم ہوئین، مگر اسی خودغرضی کی روش نے ایک ایک کر کے سب کو ملیامیٹ کر دیا، کیا موجودہ خودغرض شہنشاہیون مین سے کسی کے بچنے کی توقع ہے؟

کسی قوم کے وجود کی غایت خودی وخود پروری نہین ہو سکتی، ہر قوم کی زندگی کا سہارا وہ خدمات ہوتے ہین، جو وہ عالم انسانیت کے لیے کرتی رہتی ہے، اسکی زندگی کی

مدت اسی وقت تک رہتی ہے، جب تک اس کے ذریعہ سے خدمت خلق ہورہی ہے، اس درمیان مین اگر وہ خودغرضی ہی کو اپنا مقصود حیات بنائے رکھے، لیکن بالواسطہ اضطراراً بھی اگر اس سے دنیا کو فایدہ پہنچتا رہتا ہو، تو بھی اس کی زندگی قایم رہ سکتی ہے، لیکن جون ہی اس کی حیثیت افادی ختم ہوجاتی ہے، وہ قوت جو اس کا سرمایہ زیست تھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، تاآنکہ وہ قوم زوال وانحطاط کی پستیان طے کرتے کرتے موت و ہلاکت کے غار مین گرکر ناپید ہوجاتی ہے اس لیے کہ اب انسانیت کو اس کے وجود کی ضرورت باقی نہین رہتی،

کل قومون کو ان قوانین کا علم ہوجائے گا جن کا درس آج مصائب ونوازل انہین دے رہے ہین، اس کے بعد سے کسی قوم کو ان کی خلاف ورزی کی جرات نہ ہوسکے گی لیکن وہ خوش قسمت قوم کون ہے، جس کے نصیب مین اس سبق کو سب سے پہلے حاصل کرنے اور اس کے مطابق عمل درآمد کرنے کی توفیق ہے؟ وہ خوش نصیب قوم کون ہے، جو اس دولت واقبال لازوال کو حاصل کرکے دنیا کے سامنے سب سے پہلے اپنا اسوہ حسنہ پیش کرے گی، اور خدمت انسانیت کو منتہاے مقصود، بے غرضی کو اپنا قانون عمل، فرض کو اپنا محافظ، اور مستقبل کو اپنا معین ویاور بنائیگی؟

باب ۳

ترقی اقوام

اس وقت کرۂ ارض جن سو ممالک مین تقسیم ہے، وہ در اصل اقلیم عالم کے سو صوبہ ہین، اور ان مین جو سو قومین آباد ہین، وہ نسل انسانی کے سو خاندان ہین، لیکن کسی کا خیال اس حقیقی رشتہ کی طرف نہین جاتا، بلکہ ہر ایک محض اپنی ہی خیر مناتا ہے،

ان مین سے اکثر ایک دوسرے کے وجود ہی کو بھلائے ہوئے ہین اور مل جل کر رہنے کا انھین خیال ہی نہین آتا، اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر قوم اپنے دائرہ توجہ کو محض اپنی ذاتی زندگی تک محدود رکھتی ہے، اور یہ چاہتی ہے کہ اپنی زندگی پورے سکون و بے فکری کے ساتھ بسر کرے، جو چیزین ان کی ان تن آسانیون مین معین ہوتی ہین، انھین یہ ترقی سے موسوم کرتی ہین،

گرچند قومین اور بھی ہین، جن کا دائرۂ واقفیت اس قدر محدود نہین، اور نہ ان کی انانیت اس قدر ساکن و جامد ہے، انھین تمام دنیا سے دلچسپی ہے، اس لیے کہ ان کے اغراض و مقاصد سب کہین پھیلے ہوئے ہین، دنیا مین کہین کوئی واقعہ ایسا نہین ہوتا جس مین ان کا ہاتھ نہ شریک ہو، اور جس کے نفع کے وہ حصہ دار نہ ہون، ان قومون کی تعداد زیادہ نہین، ایک درجن سے بھی کم ہی ہے، لیکن ان کا جال ہر جگہ پھیلا ہوا ہے اور چونکہ یہ سب کی سب ہر چیز مین حصہ لگانا چاہتی ہین، اس لیے انھون

نے اپنے مختلف ومشترک اغراض کو پیش نظر رکھ کر اپنے تیئں دو یا تین انجمنوں یا جتھوں میں تقسیم کر لیا ہے، جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں، گویا یہ تو ہیں معاشرت پسند ہیں، لیکن ان کی معاشرت آپس کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں تک محدود ہے، جو چیزیں ان کے اغراض حرص وہوس میں معین ہوتی ہیں، ان کا نام ان کی اصطلاح میں ترقی ہے،

دنیا کی خوش قسمتی سے اب تک یہ ٹکڑیاں باہم دگر حریف ورقیب رہی ہیں، دنیا کی عادل وفہمیدہ حکمران اقوام کا باہمی اتحاد بے شک ایک مبارک چیز ہے، لیکن اسی طرح مستبد اقوام کا اتحاد جن کے درمیان محض حرص وہوس مشترک ہو، امن عالم کے حق میں خطرہ سے خالی نہ تھا، اور اگرچہ بنا پر بعض سلطنتیں اس عام اتحاد سے الگ رہی ہیں، وہ شے سب میں مشترک ہوتی تو اب تک "دول متحدہ یورپ" کا نظام تمام دنیا کو آپس میں تقسیم کر لینے کی غرض سے قایم ہو چکا ہوتا، اس عالمگیر جنگ نے اس خواب کی تعبیر کو ایک عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا ہے،

فرد اگر جماعت سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے تو مجرم سمجھا جاتا ہے، لیکن اقوام اب تک باہمی معاشرت سے ناآشنا ہیں، ایک دوسرے سے یہ کب ملتی ہیں ؟ یا غلام بنانے کے لئے یا غصب حقوق میں باہمی شرکت کے لیے، ان کی حکومت کے معنی یہ ہیں، کہ اس کے سوا یہ اور کسی شے کے قابل نہیں، ان کے لیے واجب التسلیم صرف ان کی "مقدس" انانیت ہے، جو دوسروں کو ہلاک وبرباد کرتے کرتے آخر خود اپنی بربادی

وہلاکت کا سبب بن جاتی ہے،

انانیت، ہی وہ مخفی محرک ہے، جو سب کو ایک دوسرے سے لڑاتی رہتی ہے، خودغرضی کا آخری نتیجہ ہمیشہ بہیمانہ جنگ وجدل ہوتا ہے، امن وصلح کی لاکھ کوشش کی جاے، لیکن خودغرضی کبھی بغیر مقاتلہ وخونریزی تک پہنچاے رہ نہین سکتی، اس کے مقابلہ مین ہر طرح کے "اتحاد" و "ائتلاف" بے کار ہین، بجز اس کے کہ ان کی وجہ سے یہ شعلہ عالمگیر ہوجاتے ہین،

ان اقوام کی اصطلاح مین "بربریت" کا مفہوم صرف یہ ہے، کہ اسلحہ حرب جدید ترین نمونون کے مطابق نہ ہون، اور "متمدن" سلطنتون کی اصلی شناخت یہ ہے کہ باہم "التواء جنگ" رہے، لیکن کمزور قومون پر فوج کشی جاری رہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ فرصت مہلک سے مہلک تر آلات حرب کی ایجاد اور آیندہ جنگ کی تیاریون مین صرف ہوتی رہے،

سائنٹفک اشخاص کا ایک گروہ تو انھین آلات حرب کی ایجاد واختراع مین مشغول رہتا ہے، لیکن ایک اور گروہ جو اس سے بھی زاید سائنٹفک ہے، اس کا مشغلہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بہ دلایل وبراہین ثابت کرتا رہے، کہ انتخاب طبیعی وبقاے اصلح کے وہ قوانین جو عالم حیوانی کے ارتقا مین معین ہوتے ہین، وہی اقوام انسانی پر بھی عامل ہین، اور اس مسئلہ کی صحت کا، یعنی اس امر کا کہ یہ اقوام ابھی حیوانیت کی سطح سے بلند تر نہین، سب سے بڑا ثبوت خود انھین اقوام کا طرز عمل ہے، بلکہ اگر یہی رفتار حوادث قایم رہی تو کچھ عرصہ مین سب اپنے سے قوی تر حریف کا شکار بن جائینگی کیونکہ

یہ ممکن نہیں کہ کوئی ایک ہی قوم ہمیشہ سب سے قوی تر رہے،

لیکن ان کی یہی نفسانیت، جس کے باعث یہ ایک دوسرے کو اپنا شکار بنا رہے ہین، انھین حیوانیت کی پستی سے انسانیت کی بلندی کی طرف بھی لا رہی ہے، سبعیت کا فلسفہ، وحشی جانورون کا اصول عمل، رفتہ رفتہ باہمی خلوص، ہمدردی و مواخات کے لیے جگہ خالی کرتا جاتا ہے، اور تنازع للبقا تدریجاً تعاون للبقا کی صورت اختیار کر رہا ہے، اور سبعیت کے بعد "مجلس اقوام" کا زمانہ آ رہا ہے،

اقوام کی مادی تاریخ اپنی منزل کی جانب لیے جا رہی ہے، وہان تک پہنچنے کے لیے بے شک بہت زیادہ سعی و کوشش کی ضرورت ہے لیکن جنگ و صلح کی کشمکش سے نکل کر بالآخر قومین اس منزل کے قریب آتی جاتی ہین، اور ایک دوسرے کو گلے لگاتی جاتی ہین وسعت ارض ان کے لیے تنگ ہوتی جاتی ہے، اور دنیا مین یکسانیت پیدا ہوتی جاتی ہے انکے فضائل و رذایل دونون سب مین مشترک ہو گئے ہین، ان کے بہترین کمالات مین سب مساوی شریک ہین، علم و فن، حکمت و ادب، کسی ایک قوم کی مخصوص ملک نہین، ان سب کے عقاید، تمدن، خاندان، وغیرہ صدیون کی جنگ و صلح کے بعد آپس مین مخلوط و مدغم ہو گئے ہین، اسی طرح ان کے رذایل نے بھی ان مین اتحاد ہی پیدا کیا ہے، ہر میدان جنگ مین خواہ فاتح خواہ مفتوح کی حیثیت سے انھون نے اپنی لاشین ایک ہی جگہ چھوڑی ہین، اور ایک ناخوش گوار مواتا... کی عمارت انھون نے اپنے خون سے تعمیر کی ہے۔ نفرت، محبت ہی کی شکل معکوس کا نام ہے،

اور محبت ہی کا پہلا اور دہندلا پیغام ہے۔ نفرت کا پیدا کیا ہوا رشتۂ خلوص معاہدون اور صلحنامون سے کہین بڑھکر پایدار و مستحکم ہوتا ہے، نفرت بھی بالآخر منزل اتحاد ہی کی طرف لے جاتی ہے، گو اس کے راستہ تاریک و پر پیچ ہوتے ہین، ایک روز وہ دن آکر ضرور رہتا ہے، جب انسان خود اس شئے سے نفرت کرنے لگتا ہے، جس نے اسے ایک دوسرے سے نفرت کرنا سکھایا تھا،

جب باہمی مناقشات ان قومون کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہین، اس وقت انھین معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپس مین کتنے تعلقات رکھتی ہین، افتراق کے وقت انھین نظر آتا ہے کہ ان مین باہم رشتۂ اتحاد بھی کیسا مضبوط تھا، یہان تک کہ اتحاد و اتفاق کی جن کڑیون کی جانب پہلے خیال بھی نہین جاتا تھا۔ وہ اب صاف نظر آنے لگتی ہین۔ چنانچہ جو قومین اس جنگ جہان سوز سے الگ اور بے تعلق رہی ہین، وہ بھی اس کے اثرات کو آج محسوس کر رہی ہین، اور اب انھین یہ تجربہ ہو رہا ہے کہ اگر ایک عضو پر زخم آجاے تو تکلیف سارے جسم کو ہوتی ہے،

اس اتحاد و اشتراک نے آج سے زیادہ نمایان شکل کبھی نہین اختیار کی تھی، موجودہ جنگ کی عالمگیری نے ثابت کر دکھایا ہے، کہ عالم انسانیت کا ذرہ ذرہ ایک دوسرے سے وابستہ ہے، انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ تو ایسا نہین جو اس جنگ کے اثرات سے غیر متاثر و غیر مختل رہا ہو، یہی وہ عام و مشترک قیامت ہے، جو مستقبل عالم کا نظام تیار کر رہی ہے، اور اعلان کر رہی ہے، کہ آیندہ اقوام کو اپنی

حالت مین تبدیلی کرنا ہوگی، دور جدید کا آغاز ہو رہا ہے،

دنیا پر ایک تازہ زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے، یہ لہر یورپ سے اٹھی، امریکہ مین اس نے حرکت پیدا کی، اور ایشیا کو خواب سے بیدار کر دیا، خوش نصیب ہین وہ قومین جو اپنے طویل ایام مشقت کے بعد چین اور سکھ کی نیند سوسکین گی، اس لیے کہ باقی قومون کے لیے اب گوشہ لحد ہے،

یہ لہر تمام کرۂ ارض کا چکر لگا کر پھر وہین لوٹ آئی ہے، جہان سے اٹھی تھی، اور اب کی اس نے یورپ مین شعلہ آتش کی شکل اختیار کر لی ہے اور قومی و نسلی غرور اسی شعلہ کی نذر ہو رہا ہے، یورپ کو باہر والون کے ساتھ تحقیر کا برتاؤ ترک کرنا پڑیگا، اس لیے کہ قومی غرور کو یہ شعلہ جلا کر خاکستر کیے دیتا ہے، قومون کو اس تخیل سے دست بردار ہونا پڑیگا، کہ وہ دوسرون کی حاکم یا آقا ہین، اور بجاے اس کے اپنے تئین انسانیت کا خدمتگزار تسلیم کرنا پڑے گا،

مستقبل کی قوت اُن سے قطعاً یہی کام لیتی ہے، جنھین اُس کی خدمتگزاری سے انکار ہوتا ہے، البتہ جو ن ہی ان سے اپنا کام لے چکتی ہے، انھین ختم بھی کر دیتی ہے، ماضی کی بڑی بڑی پرہیبت و جلال سلطنتون سے اُس نے ان کی نادانستگی مین یہی کام لیا، اور کام لے چکنے کے بعد انھین برباد کر دیا، یہی حشر موجودہ سلطنتون کا بھی ہونا ہے، اپنے جبر و ستم اپنی ناانصافیون کے ذریعہ سے یہ قومین اپنے مقصد و ارادہ کے خلاف، مستقبل کا بھی مقصد پورا کرتی رہی ہین، کہ نوع انسانی مین

باہم اتحاد قایم ہو مستقبل کی قوت ان کے ذریعہ سے یہ کام نکال کر اب خود ان پر اپنا عمل کر رہی ہے، یعنی ان قومون کے جو جو حالات اس مقصد اتحاد کی راہ مین حایل ہون گے، انھین وہ فنا کر دے گی، اور اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہ ہوگا کہ

چونکہ صدیون کی جد وجہد کا مقصود یہی اتحاد بین الاقوام رہا ہے، اور مستقبل کی منزل مقصود یہی عام عالمگیر اتحاد ہے، اس لیے وہی حکومتین جن کی ساخت و ترکیب اس قسم کی واقع ہوئی ہے جو اس نصب العین کے حق مین معین ہو سکتی ہے، وہی حکومتین برقرار رہ سکین گی، اور وہی ترقی کی علم بردار ہون گی،

قومی تہذیب و تمدن کا معیار آیندہ سے یہی احساس اتحاد رہے گا، اور آیندہ انھین افراد و اقوام پر "متمدن" کا اطلاق ہوگا، جو اس لیے متحد ہوئے ہین کہ ہر فرد کو دوسرے فرد کا بھائی اور ہر قوم کو خاندان انسانیت کا ایک جزو تسلیم کرین،

باب ۴

حقوق اقوام

اوپر کہا جاچکا ہے، کہ جو تعلق فرد کو قوم سے ہے، وہی قوم کو عالم انسانی سے ہے اس بنا پر جس طرح فرد کے لیے قوم کے فرایض ہین، اسی طرح اس کے حقوق بھی ہین، وقت آگیا ہے کہ جن حقوق کے مطالبہ کی عزت فرد کی جانب سی سب سے پہلے فرانس کو حاصل ہوئی، انھین حقوق کا اعلان اب اقوام سے متعلق بھی کیا جائے، اور فرد سے متعلق جن حقوق ثلثہ کو فرانس کے دست سیاست نے موجودہ تمدن کے دروازہ پر کندہ کر دیا ہے، وقت آگیا ہے، حقوق اقوام کا خلاصہ بھی انھین تین لفظون مین در مستقبل پر آویزان کر دیا جائے،

"حریت، مساوات، اخوت"

سب سے پہلی چیز حریت ہے، چھوٹی بڑی ہر قوم کو آزادی ملنا چاہیے، بڑی قومین صرف وہ ہین جو عالم انسانی کی بڑی خدمات انجام دیتی ہین، اور اس لحاظ سی کیون نہ چھوٹی قومین بڑی قومون سے بھی بڑھ چڑھکر خدمات انجام دین،

آزادی کس چیز کی؟ آزادی اپنے وجود کی، آزادی اس امر کے انتخاب کی کہ خواہ وہ الگ الگ آباد رہین خواہ کئی کئی آپس مین مل کر رہین، حقوق اقوام کی اصلی

بنیاد و اساس کار یہی آزادی ہے، اور وہ حقوق سب اقوام کے لیے یکسان ہین، یورپ و امریکہ ایشیا و افریقہ کی ان مین کوئی تفریق نہین،

اِس کی بھی آزادی حاصل ہو، کہ ہر قوم اپنی سرشت، اپنے مخصوص مزاج و افتاد طبیعت کے موافق مدارج نشو و نما و ارتقا طے کر سکے، جس وقت کسی ایک قوم کو بھی اس کے گوناگون مظاہر و شئون مین سے کسی ایک شئے کو بھی حد تکمیل تک پہنچانے سے روکا جائیگا، انسانیت کے سرمایہ مین اسی وقت سے افلاس کا داغ لگ جائیگا،

ہان آزادی ایسی ہونی چاہیے کہ ہر قوم اپنے اپنے مذاق کے مطابق پھلے اور پھولے، اتحاد کے یہ معنی نہین، کہ سب کو ایک ہی قالب مین ڈھال دیا جائے، ہر آئین، اور ہر نظام کو اپنی زندگی کے ثبوت دینے کا پورا موقع ملنا چاہیے،

غرض ہر قوم کو زندگی ملنا چاہیے، اور جس نوعیت و طرز کی زندگی اسے مرغوب ہو وہی ملنا چاہیے، اپنی جماعتین بنا کر یا جس طریقہ پر بھی وہ اپنی تنظیم کرنا چاہین، سب قومون کو زندہ رہنا چاہیے اور اس وقت تک زندہ رہنا چاہیے، جب تک وہ منفرداً یا مجموعاً اس شئے کی خدمت کرتی رہین جو ان سب سے افضل و برتر ہے، یعنی تمام اقوام کا آغوش مادر، عالم انسانی،

"مساوات"۔ تمام قومین بہ لحاظ حقوق مساوی ہین، حق کے سامنے سب برابر ہین، یہی مساوات ایک دوسرے کے مقابلہ مین انکی آزادی کا ضمانت نامہ ہے، اس اقرار

نامہ پر سب کے دستخط ثبت ہین، متمدن افراد کی طرح متمدن اقوام مین بھی کسی ایک کے ساتھ
ناانصافی ہونے کے معنی یہ ہین کہ سب کے حقوق کو صدمہ پہنچا، اسکے متعلق ہر قوم
مین مساوی احساس پیدا ہونا چاہیے، بلکہ اگر کسی کمزور کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے
تو پر قوت قومون کو اور زیادہ اس کا احساس ہونا چاہیے،

اگر عدل نہین، اگر سب کے لیے مساوی انصاف نہین، تو نہ کسی متمدن فرد کا وجود
رہ سکتا ہے، نہ کسی متمدن قوم کا، اس عدل کی پیشگاہ مین زبردست زیردست قوی وضعیف سب کے
حقوق بالکل مساوی ہونے چاہیین، اس لیے کہ حقوق کا معیار طاقت و قوت نہین
حق کے حقوق طاقت و قوت سے کہین اعلی وافضل ہوتے ہین،

کمزور کے مقابلہ مین قوت کا اظہار نہ کوئی متمدن فرد کر سکتی ہے، نہ متمدن قوم
کوئی ہستی بجاے خود عدل کو اپنے ہاتھ مین نہین لے سکتی، عدل کی تعریف یہ ہے
کہ ہر ہستی ہر دوسری ہستی کے مقابلہ مین پورا انصاف حاصل کر سکتی ہو،

مساوات حقوق سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ان حقوق کی نیابت مین بھی سب
مساوی ہین، اس قانون کے وضع کرنے مین جو ان سب پر حاوی ہے، سب کی شرکت
مساوی ہونا چاہیے۔ اور اس قوم اعظم (یعنی عالم انسانی) کی حکومت مین، جسکی یہ سب
قومین جزو ہین سب کو برابر کا حصہ دار ہونا چاہیے،

اس بنا پر انسانیت کی پارلیمنٹ کی ترکیب مین محض مخصوص اقوام کا نہین بلکہ کل
اقوام کا شمول لازمی ہے، انجمن اقوام مین چھوٹی بڑی، امیر وغریب، مالک و مملوک،

ہر قوم دوسرے کے مساوی جگہ رکھتی ہے اور مالک و مملوک کیا معنی سرے سے یہ تفریق ہی مٹ جائیگی۔ اور اس سے حاکم اقوام کو اندیشہ کی کوئی وجہ نہین، اس لیے کہ اگر ان کا غلبہ بجا و حق بجانب ہے تو اس کے لیے بجز علم و عقل کے اور کسی سہارے کی حاجت نہین، آلات و اسلحہ کی قوت سے بڑھکر روحانی طاقت ہے، پھر اگر مجلس اقوام مین اکثریت ان کی جانب نہین بلکہ وہ اپنے تیئن اقلیت مین پاتی ہین، تو بھی کیا مضائقہ ہے، دنیا کی رہبری و سرداری ہمیشہ مختصر وچیدہ جماعات ہی کرتی آئی ہین، اور جس وقت تک وہ دوسرون سے ممتاز ہین، سرداری بدستور ان کے ہاتھ مین رہے گی، البتہ اس سرداری کی بنیاد عدل و اخوت پر قایم ہو گی،

"اخوت" اس کے معنی یہ ہین کہ ایک دوسرے کا ادب ملحوظ رہے، اور باہم نفع رسانی کی کوشش رہے، تمام ممالک ایک دوسرے کے بھائی ہین، مادر گیتی سب کی مشترک ماں ہے، وہ کرۂ ارض کے کسی خط مین بھی واقع ہون، ایک ہی آفتاب سب کو روشنی پہنچاتا ہے، کوئی قوم کسی حصۂ زمین مین آباد ہو، سب کو ایک ہی منزل تک پہنچنا ہے کیون نہ موت سے پیشتر زندگی ہی مین سب ایک دوسرے کو متحد سمجھین،

اب تک حب الوطنی کا مفہوم یہ رہا ہے کہ دوسرون کے ساتھ اگر نفرت نہین، تو کم از کم مغایرت و حقارت کا برتاؤ ضرور کیا جائے، درآنحالیکہ یہ تمام اقوام مختلفہ ایک ہی اصل انسانیت کی مختلف شاخین اور ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر

دشمن ہین، سچا محب وطن وہ ہے جو اپنی قوم مین انسانیت ہی کا عکس دیکھتا ہے، لیکن کیا ممکن نہین کہ دوسری قومون مین بھی وہ یہی عکس دیکھے۔ وہ دن آرہا ہے، جب ہر شخص دوسرے ممالک کو اپنا ہی وطن سمجھنے لگیگا، اور ہر ملک اسے خاندان انسانی ہی کا ایک مسکن نظر آنے لگیگا، ایسی حالت مین وہ دوسرے ملک مین پہنچکر اپنے میزبان سے اجنبی کا سا برتاؤ نہین کریگا، بلکہ وہ طرز عمل رکھے گا جو ایک دوست کا دوسرے دوست سے ہوتا، یا اولاد کا اپنی والدہ کے خاندان والون کے ساتھ،

اُس وقت زمین پر جاسوسون اور مخبرون کا وجود نہوگا،

اُس وقت کسی قوم کو اس کی ضرورت نہ باقی رہے گی کہ وہ دوسرے ممالک مین مشہور و معروف، لیکن مجہول و مخفی اشخاص لگائے رکھے جو دھوکا دینے مین مشاق اور دھوکا کھانے کے اچھی طرح خوگر ہون، اور جن کا کام یہ ہو کہ مصالح کی آڑ مین نہایت ہی غیر مصلحت اندیشانہ کارروائیون مین مصروف رہین، اسوقت قومین بجاے ایک دوسرے کے مخفی دشمن ہونے کے آپس مین مراسم ارتباط و اتحاد قایم کرینگی، اسوقت ان کے سرکاری نمایندہ (کانسل، سفراء وغیرہ) چالاک قومی جواڑی نہ ہونگے، جو قومون کی زندگی و موت پر بازی لگایا کرین گے، بلکہ دانشمند و راست باز مشیر ہون گے، اور سب کے مشترک فوایدکے نگران و وکیل ہون گے، جنکی مجلس ہر قوم مین گویا انسانیت کی مجلس ہوگی،

کیا اس مرتبہ تک پہنچنا بہت دشوار رہے؟ کیا موجودہ متمدن اقوام سے اسکی

توقع کرنا ایک امر محال کی توقع رکھنا ہے، کہ وہ متمدن افراد کے نظام اخلاق کے مطابق عمل کرین ؛ اور اس طرح ایک دوسرے کو اس بار وحشت سے سبکدوش کرین، جو اس وقت ان سب کو کچلے ڈالتا ہے،

حریت، مساوات واخوت کے ان اصول ثلثہ کے علاوہ کسی اور اصول پر موجود اقوام کی حیات مستقبل کے معنی یہ ہین، کہ انکے نصیب مین غلامی، ذلت وفساد کی زندگی ہی، آزاد، مساوی و برادرانہ تعلقات قایم رکھنے والی اقوام کے دائرہ جمہوریت سے باہر ہونے کے بعد درحقیقت اسکے سوا کوئی چارہ ہی نہین رہ جاتا، کہ نوع انسانی کو باہدگر رقیبانہ تعلقات قایم رکھنے والے حصون مین تقسیم کردیا جائے، یعنی چند قوی ہیکل و مستبد ٹکڑیان قایم ہوجاینگی جنکے مقابلہ مین موجودہ سلطنتین ہیچ ہین اور جن کے آگے آج کی ہر چھوٹی بڑی سب ہی اقوام کو سر جھکا دینا ہوگا، ان ٹکریون کے درمیان مستقل جدال وقتال قایم رہے گا، جو اسقدر ہولناک ہوگا، کہ اسکے سامنے موجودہ جنگ کی کوئی حقیقت نہین رہتی،

اقوام آج جس راستہ پر چل رہی ہین، وہ اسی منزل کی طرف لے جانے والا ہے اور اس قسم کے ہیبت ناک اژدرنما سیاسی وجنگی ہستیون کے وجود مین آنے کے آثار ابھی سے پیدا ہوتے ہوئے نظر آرہے ہین،

لیکن فطرت اژدرون کو دوست نہین رکھتی، انکی زندگی محض عارضی اور مخصوص

مقاصد کے لیے ہوتی ہے، طبقات ارض سے جن اثر درون کے ڈھانچ آج نکل رہی ہین، وہ کتنی مدت تک زندہ رہ سکے، یہی حشر ان دیو ہیکل ہیبت فگن نظامات کا بھی ہونا ہے جو حکومتین اپنے اجتماع سے قایم کر رہی ہین، جون ہی ان کا مقصد حیات پورا ہو چکے گا، انپر فنا طاری ہو جائیگی،

انکی پیدایش کا مقصد یہ ہے، کہ اقوام کو کسی بہتر حالت کے لیے تیار کیا جائے، انھون نے قومون کے سامنے ابھی سے اپنا ہیبت ناک وجود ظلّی پیش کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ بداعمالیون کے جو نتائج پیش آنے والے ہین ان سے سب باخبر ہو جائین۔ انھون نے سردست قوم کی مطلق العنانی کو کچھ تو کم کر کے انکی خودی کو اس غرض کے لیئے دبایا ہے، جو آیندہ آزادانہ جمہوریت اقوام کی تنظیم کے لیے ضروری ہے، اور انھون نے موجودہ کشمکش کی وہی صورت پیدا کر رکھی ہے، جو پیدا ہونی چاہیے تھی یعنی وحشت ناک اسقدر کہ آیندہ سب کے دلون پر ہیبت طاری ہو جائے، خونریز اسقدر کہ تمام پچھلے نظامات تہ و بالا کر کے رہے، اور عالمگیر اسقدر کہ دنیا کا کوئی گوشہ آیندہ آزادی کی نعمت سے محروم نہ رہنے پائے،

اب اقوام کے سامنے صرف دو راستہ ہین، یا تو باہمی جنگ و ہلاکت کے لیے مسلح اتحاد اختیار کرین، اور یا امن و آشتی کے ساتھ آزادانہ اتحاد سب مل کر قایم کرین ان مین سے ایک شئے کا انتخاب کرنا ہے،

باب ۵

امن عالم

مدتون سے انسان کو اسکا احساس ہے، کہ نظام کائنات کے اس ادنی ترین جزو کرۂ ارض پر حیات چند روزہ پاکر آپس مین لڑنا جھگڑنا، سعی و اہتمام کے ساتھ تفریق اور تفریق در تفریق قایم کرنا، اور بجاے باہمی خلوص و معاونت کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے کے اجل کی دست برد مین معین ہونا، کس قدر حماقت بلکہ جنون ہے،

مدتون سے وہ اس جنون کے ازالہ، اس مرض کے دفعیہ کی فکر مین ہے لیکن ابتک کامیابی نہین ہوئی، یہ آخر کیون ؟

حکمار نے برکات صلح بیان کئے، انبیا نے پیام امن کی منادی کی تاہم دنیا ابھی تک اس کی آمد کا راستہ ہی دیکھ رہی ہے، اسکی کھلی ہوئی وجہ یہ ہے کہ امن کوئی ایسی شے نہین جو من و سلوی کی طرح آسمان سے نزول کرے، بلکہ انسان کے احساس انسانیت کا نتیجہ ہے اور انسانیت کے احساس سے اس وقت تک قلوب انسانی ناآشنا ہین،

بڑی بڑی سلطنتون نے ہمت کی کہ دنیا مین امن قایم کر دیا جاے، بڑے بڑے فاتحون نے منصوبہ باندھا کہ اپنے زور و قوت سے دنیا مین امن قایم کر کے رہین گے لیکن ان ہمتون کو زرہ آہنی کے بار نے توڑ توڑ دیا اور یہ خواب ہمیشہ جھوٹے ہی نکلا اس لیے کہ امن کا جنگ سے اور نرمی کا سختی سے پیدا ہونا محال ہے، یہ ناممکن ہے کہ جنگ سے

صلح پیدا ہو سکے،

آج پھر قومون مین یہی پرانا منصوبہ تازہ ہو رہا ہے، وہ یہ سمجھتی ہین کہ یہ جنگ آیندہ جنگون کا خاتمہ کردیگی، اور عسکریت کی یہ طاقت ہمیشہ کے لیے عسکریت کا زور توڑ دیگی، اگر علاج بالمثل کے اس مہمل اصول مین کچھ بھی صداقت ہوتی، تو مدت ہوئی دنیا سے جنگ رخصت ہو چکی ہوتی، یہ لوگ اس وہم مین گرفتار ہین کہ ایک حربی فتح دنیا مین صلح قایم کردیگی، حالانکہ دنیا کی صلح وہ صلح نہین جسکے شرائط فاتح یا قوی ترین فریق مرتب کرے، دنیا قدیم رومیون کے شرائط صلح کی پابندی نہین کرسکتی، دنیا کو جس شے کی ضرورت ہے، اور جس امر کا انتظار ہے، وہ نوع انسانی کی صلح ہے، جس پر دستخط مفتوح اقوام کے نہین بلکہ آزاد اقوام کے ثبت ہونگے، اور جسکے شرائط خود انسانیت کے ایما سے مساویانہ تمام اقوام کو املا کیے جائین گے

دنیا مین قیام امن نہ تو فوجی طاقت سے ہو سکتا ہے، اور نہ فرقہ مصالحانہ[1] کی کمزوریون کو اس فرقہ کو روشن ترین توقعات کے باوجود جیسی ناکامی ابکی نصیب ہوئی ہے، ہیشتر کبھی نہین ہوئی تھی، سرکاری حیثیت سے تمام قومین بلکہ ان کے حکمران تک بھی یہی بولی بولنے لگے تھے، اس پیام کی منادی خود زار نکولس نے کی تھی، اور اسی کی اپیل کے مطابق دوسری سلطنتون نے اپنے ہان اس غرض کے لیے مجلسین منعقد کین، صلح و امن کے نام سے ایک مندر

[1] یورپ مین ایک گروہ Pacifist کے نام سے موجود ہے، جو ہر قسم کی جنگجوئی کا سخت مخالف ہے،

تعمیر کیا گیا[1]، مگر اسی تاریخ سے ان ہولناک محاربات کی بھی بنا پڑ گئی، جنکی نظیر سے تاریخ عالم خالی ہے

یورپ کے تمام قانون سازوں نے قوانین کی مدد سے بڑی بڑی عدالتین قایم

کر دی ہین کہ وہ فصل خصومات بجائے طاقت و قوت کے حق و استحقاق کی بنا پر کرین

اور جنگ تک کے آئین و ضوابط مقرر کر دیے ہین، تاکہ غلبہ قوت کے وقت بھی حق کا عنصر

شامل رہے، بااین ہمہ شاید آج سے زیادہ قوت حق پر کبھی غالب نہ آئی ہو،

تمام ممالک کے طبقۂ عمال (مزدوری پیشہ گروہ) نے جنگ کے خلاف اتحاد کر لیا تھا

انھون نے ایک دوسرے سے حلف لے لیا تھا کہ بصورت جنگ سب بغاوت کر دین گے

انکی مرکزی بین الاقوامی مجلس گویا امن و صلح کی ایک قطعی ضمانت تھی، لیکن آج وہی لوگ

ایک دوسرے کے قتل مین مصروف ہین، اور جن زبانون پر کل تک مواخات کی تعلیم تھی

وہی آج مقاتلہ مین مشغول رجز خوانی ہین،

تمام قومون نے جنگ سے محفوظ رہنے کے لیے کثرت سے معاہدہ و اتحاد نامے

مرتب کر لیے تھے، اور قیام امن کے لیے صلحنامون کی تعداد حد سے بڑھ چلی تھی لیکن

آج جنگ کی خبیث روح ہر سمت سے مجتمع ہو کر خشک مقامات مین اپنا گھر پیدا

کر رہی ہے، اور اپنے ہمراہ اپنے سے خبیث تر سات روحون کو اور لیے ہوئے ہے"

اسوقت چودہ قومین ایک دوسرے کو ہلاک کرنے مین مشغول ہین[2]،

---

[1] یہ اشارات ہین ہیگ کی عدالت صلح کی جانب۔م [2] حسب ذیل چودہ ملکون نے اس جنگ عظیم مین حصہ لیا تھا۔

جرمنی[1]، فرانس[2]، روس[3]، اسٹریا[4]، انگلستان[5]، اٹلی[6]، امریکہ[7]، جاپان[8]، ٹرکی[9]، بلگیریا[10]، بلجیم[11]، سرویا[12]، مانٹی نیگرو[13]، پرتگال[14]،

فرقہ مصالحانہ اس وہم مین مبتلا تھا، کہ روز افزون اقتصادی مادیت اور فوجی دمدمون کی افراط سب اسی کی تائید مین ہے، گویا خدایان تجارت کی خدائی مین آیندہ کے میدان کارزار محض تجارتی منڈیان رہ جائین گی، آیندہ کے محاربات محض تجارتی مقابلہ و مسابقہ ہون گے آیندہ کے فتوحات محض افزایش پیداوار کے مرادف ہونگے" دنیا کی رہنمائی اسی دنیاے تجارت نے کی، یہی اقتصادی جنگ اس وقت تک ۲ کرور جانین لے چکی ہے[1]، اور مال کا جتنا نقصان ہوا ہے، وہ اندازہ سے باہر ہے، پیداوار نے بالآخر خود اپنے پیدا کرنے والون کو ہضم کرلیا،

پھر یہ بھی کہا جاتا تھا کہ جدید آلات ہلاکت و مہلک سامان حرب کی دہشت ایسی دلون مین جاگزین ہو جائے گی کہ لڑائی چھیڑنے کی کسی کو ہمت ہی نہو گی لیکن اب تو تجربہ ہو گیا کہ پورے پچپس مہینون سے مالک دوزخ نے دنیا پر جہنم کے دروازہ کھول رکھے ہین، اور ہر طرح کے عذاب و عقوبت کی بارش ہو رہی ہے، بااین ہمہ آگ کے شعلہ بجائے ماند پڑنے کے اور تیز ہوتے جاتے ہین،

آخر یورپ کے اس صلح جو فرقہ کی کوششون کی ناکامی کامل کا کوئی سبب؟ بے شک اسکے اسباب ہین، جن مین سب سے پہلا سبب یہ ہے، کہ یہ ایک محض یورپین فرقہ تھا ان اقوام کا، انکے مقننون اور مدبرون کا، ان کے عمال اور انکے فرمان رواؤن کا

---

[1] یہ تخمینہ ۱۹۱۶ء کا ہے، م

انتہائے مقصود امن نہ تھا امن کامل نہ تھا، بلکہ محض آپس کا امن، خودغرضانہ امن مقصود تھا اس قسم کی جھوٹی صلح کی کوششین ہمیشہ ناکام رہین گی،

ہیگ مین انکی "عدالت صلح" بے شک قایم تھی، لیکن اس عدالت کا انصاف ان شامت زدون کے لیے نہ تھا، جنکے دورافتادہ ممالک پر دندان آز تیز ہو رہے تھے اس محکمہ انصاف کے ضوابط مین ان غیر مسلح آبادیون پر فوجی تسلط قایم رکھنا ذرا بھی حقوق اقوام اور احترام تمدن کے منافی نہ تھا، جنکا رنگ سفید نہ ہو، یہ کھلی ہوئی حق تلفیان ہوتی رہین، اور کسی ایک سوشلسٹ[۱] نے بھی بغاوت کا ارادہ تک نہ کیا، غرض صلح وامن کی ہر تدبیر مین یہ مقصد کبھی نظر سے نہ ہٹنے پایا، کہ ہر سلطنت کی ہوس استعمار وشوق ملک گیری کے لیے نذر ہونے کو کوئی جدید علاقہ تیار رہے، فرقہ صلح جو نے کبھی اس جانب توجہ نہ کی، اسے اپنے محدود دایرہ سے باہر توجہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہ تھی، وہ اس حقیقت کو فراموش کیے رہا، کہ "جو شمشیر حملہ کر رہی ہے، کل اس پر بھی حملہ کیا جائے گا،

مستقل ومکمل امن صرف وہی ہے، جو سب کو ایک دوسرے کے مقابلہ مین حاصل ہو جس وقت تک دنیا مین ایک قوم بھی ہدف جنگ بنی ہوئی ہے، دوسرون کو امن وسکون سے رہنا ناممکن رہے، یورپ کی یہ تمنا تھی کہ خود یورپ مین صلح رہے درآنحالیکہ یورپ ہی کی حکمت عملی دوسرے اقطاع ارض مین انسان کا خون بہاتی

[۱] اشتراکی۔ یعنی اُس گروہ کا رکن جو عالم کی دولت مین مساوات واشترک پیدا کرنے کا مدعی ہے،

رہے، آیندہ صلحنامہ پر موجودہ متحاربین کا دستخط کر دینا بالکل لاحاصل رہے گا، تاوقتیکہ اس پر دنیا کا باقی حصہ بھی دستخط نہ کرے، تاوقتیکہ آیندہ مجلس صلح مین عالم انسانی کی پوری نیابت نہ ہو، امن کی بخشش صرف انسانیت کے ہاتھ مین ہے، انسانیت اسے اقوام کو عطا کر سکتی ہے، بشرطیکہ اقوام اسے اپنی مجلس کا صدر بنائین،

اگر صلح منظور ہے، تو پہلے اپنے غلامون کو آزاد کرو، کہ وہ تمھارے برابر بیٹھکر گفتگو کر سکین، ورنہ صلح کا نام نہ لو،

اس سے بڑھکر یہ کہ اپنے قلوب، اپنے نفوس کو آزاد کرو، جنگ و صلح کا اصلی مبدا و ماخذ خود تمھارا قلب ہے، اگر صلح کا وجود تمھارے قلب مین نہین، تو فرقہ صلح جو کی تمام کوششین قطعاً لاحاصل ہین، جنگ پیدا ہو گی اور وہ اپنی رَو مین سب کو بہالے جائیگی،

نظامات، قوانین، محکمہ جات ثالثی، بین الاقوامی معاہدے، اقرارنامہ اور مجلسین، شرح زر مین اضافہ، اقوام کے تعلقات باہمی مین افزایش، صلح کو ترقی دینے والے اسباب و حالات..... سیل ہلاکت کی روک تھام کے لیے کتنے مضبوط بند قایم کر دئے گیے تھے، لیکن جب یہ سیلاب موجزن ہوا تو تمام بند توڑتا ہوا اپنے ہمراہ بہالے گیا، بلکہ جتنے زاید یہ بند قایم کئے گئے تھے، اتنا ہی رُک رُک کر سیلاب کے حجم مین اضافہ ہوتا رہا، اور اسی قدر زیادہ تندی و قوت کے ساتھ اس کا بہاؤ چلا، اگر فی الواقع اسکی روک تھام منظور تھی، تو اسکے منبع کو خشک

کرنا چاہیے تھا، حالانکہ یہ تمام بندشین ظاہری و خارجی تھین، لوگون نے چاہا کہ خارجی ذرائع سے امن کو وجود مین لائین، حالانکہ یہ شے ان کے بس کی نہین، امن کا مولد و منبع قلب انسانی ہے، جنگ کا منبع بھی قلب انسانی ہے، انسان کی انسانیت سے بیگانگی، انسان مین دوسرون کے مساوی ہونے کا عدم احساس، انسان کا قلب ہی وہ سرچشمہ ہے، جہان سے سیلاب خون نکل کر تمام کرۂ ارض پر جوش زن ہوتا ہے اسی سرچشمہ کو خشک کر دینے سے دنیا سے جنگ کا وجود رخصت ہو سکتا ہے، تاوقتیکہ انسان کے باطن مین، انسان کے نفس مین اصلاح نہو گی، تمام خارجی تدابیر، تمام بیرونی کوششین لاحاصل رہین گی، اور امن و صلح کے ظاہری قالب کے اندر جنگ و بدامنی کی روح حرکت کرتی رہیگی۔

اب آنکھون سے پردہ ہٹ گئے ہین اور ساتھ ہی قیدون کا طلسم بھی ٹوٹ گیا ہے، قدیم حالات کو بدستور رکھنا امن کے لیے کافی نہ تھا، راضی نامہ کر لینا امن کے مرادف نہین، قدیم حالات کے فنا ہونے کے ساتھ فرقہ صلح جو کا بھی خاتمہ ہو رہا ہے لیکن انکی یہ ناکامی آیندہ کامیابیون کے لیے بھی دلیل راہ کا کام دے رہی ہے، حصول کامیابی کے لیے اس شمشیر بے پناہ کا وجود ضروری تھا، جو ہڈیون تک پیوست ہو جاتی ہے، چنانچہ جنگ اسے تیار کر رہی ہے، یہ شعلہ شمشیر خود شمشیر قتال کو بھی خاکستر کر کے رہے گا،

وہ مقصد جسے بڑی بڑی سلطنتین اور بڑے بڑے مذاہب زمانہ ماضی مین

پورا نہ کر سکے، جسکے انجام دینے مین زمانہ حال کا تمدن ناکام رہا مگر جسکی تیاریان تمام گزشتہ صدیان کرتی آئی ہین۔ وہ ایک شے اور صرف ایک شے سے ابھی انجام کو پہنچ سکتا ہے آج حاصل ہو سکتا ہے، وہ شے کیا ہے؟ انسان مین انسانیت کا احساس، جزو کو کل کا شعور،

اسوقت انسان کے قلب سے امن عالم کی پیدایش ہوگی،

باب ۶

بیداریٔ روح

ایک آواز صدیون سے آرہی ہے، یہ آواز ضمیر کی گہرائیون سے پیدا ہورہی ہے، سب نے اسکو سُنا ہے مگر اس پر کان اب تک کسی نے نہین رکھا ہے۔ اس آواز کو خاموش کردینا کسی کے بس کی بات نہین یہ صدا ہے اعلیٰ تر فرمان کی منادی کررہی ہے کہ "ہلاک نہ کرنا"

ایک دوسری صدا، صدائے خوف زمین سے بلند ہورہی ہے، آہ، جنگ کے شداید و مصائب! زبان انھین بیان کرنے سے بھی قاصر ہے، اُف وہ جرائم و معاصی جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے! کیا شکل انسانی کے عقب مین کوئی اژدر پوشیدہ ہے؟ ورنہ آخر اسقدر ترقی تمدن کے ساتھ اس بہیمیت کا اجتماع ممکن کیونکر ہے؟

یہ واقعات ممکن کیون ہین؟ محض اس لیے کہ دنیائے متمدن کے ہر شہر، ہر قصبہ ہر گانون مین مدارس موجود ہین، جہان چھوٹے بچے پڑہنے کے لیئے جمع ہوتے ہین اور وہان استاد انھین روزانہ یہ درس دیتا ہے کہ انسان کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ قومی اغراض کی پاسداری کرے اور اگر قومی اغراض اسی کے مقتضی ہون تو اپنے ہم جنسون کا گلا کاٹنا اسکے لیے کار ثواب ہوجاتا ہے۔ اور اس پہ اپنے عالم کی جو

قتل کے لیے ابھارتا ہے تعمیل ارشاد زیادہ فرض ہے بہ مقابلہ اس فرمان ضمیر کے کہ "ہلاک نہ کرنا"

ہان اس لیے کہ چونکہ ہر شخص کو بچپن ہی سے اسی قسم کی تعلیم ملتی ہے، ہر قوم مین ہر شخص اسکے لیے تیار ہو جاتا ہے کہ ایک روز قاتل بنے اور اپنے بھائی کے حق مین قصائی کا کام دے اس کے بعد کوئی جرم اسکے لیے جرم نہین باقی رہ جاتا اور نوازل و مصائب جنگ کی کوئی انتہا نہین رہ جاتی،

اور آخران نوازل و مصائب کو متعین حدود کے اندر محدود رہنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہی؟ خود ہی تو ایک جنگلی درندہ کو آزاد چھوڑ دیتے ہو اور پھر اس سے یہ توقع کرتے ہو کہ وہ انسانیت کے حدود مین رہیگا! بلکہ جنگ کا اس حد تک وحشیانہ و بہیمانہ ہو جانا تو بہت اچھا ہوا، کہ بغیر اسکے انسان کے دل مین اسکی طرف سے نفرت ہی نہین پیدا ہو سکتی تھی، انسان کے دل مین ابتک قتل انسانی کی عزت تھی، لیکن جتنی چیزین اسکی نظر مین جنگ کو زیادہ وحشیانہ ثابت کر رہی ہین، وہ دراصل اُس روز سعید کی آمد کو قریب لاتی جاتی ہین، جب قتل انسانی کے جواز کا امکان نہ باقی رہیگا، اور قدیم جنون رخصت ہو چکا ہوگا،

قتل حرام ہے ہر حالت اور ہر صورت مین حرام ہے، جب یہ قطعی فتویٰ صادر ہو جائے گا اسوقت دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو گا،

جسوقت تک اس فتوے مین استثنا کی کوئی صورت باقی ہے، جسوقت تک یہ خیال قایم ہے کہ بڑی جماعت مرتب کرکے قتل کرنا جایز ہے، جسوقت تک یہ وہم موجود ہے کہ جماعات کا قتل افراد کے قتل سے مختلف بلکہ ایک عمل شریفانہ ہے اور جسوقت تک یہ اعتقاد باقی ہے کہ تنخواہ پانے والون اور وردی پہننے والون کے پاس دوسرون کی جان لینے کے لیے پروانہ جواز ہے، اُسوقت تک جنگ کا وجود بھی برقرار رہیگا اور جنگ بھی مع اپنی تمام شقاوتون کے۔

جسوقت تک متمدن افراد کے نفوس مین قاتلانہ عظمت کا احساس زہریلی تعلیم کے اثرات سے پیدا شدہ باقی ہے جس وقت تک اصول اخلاق ان بد ترین بد اخلاقی مین معین ہو رہے ہین جسوقت تک اساتذہ و معلمین اپنے تلامذہ کے دل و دماغ پر محاربات اور معرکہ آرائیون کی عظمت و شوکت کے نقوش بٹھا رہے ہین جسوقت تک اس ام الجرایم کو جرم و معصیت کی حیثیت مین نہین لایا جاتا اور قتل و خون ریزی کو بد ترین معصیت کی شکل مین نہین پیش کیا جاتا، جسوقت تک یہ صورت حال باقی ہے اُسوقت تک باہمی قتل و ہلاکت کی لعنت اپنی تمام شقاوتون اور بیدردیون کے ساتھ قومون پر مسلط رہیگی،

اس سے بھی بڑھکر ستم یہ ہے، کہ مدارس مین زبانی اسباق کے علاوہ ان چیزونکی عملی تعلیم بھی دی جاتی ہے، سب سے پہلے تو اسکی مثال ہمارا قانون معاشری ہی پیش کرتا ہے جسوقت تک قانون، نفس بشری کی عظمت اور حیات انسانی کا احترام مجرمون تک مین نہ تسلیم کرے گا، جسوقت تک تعزیرات کا نفاذ خود جرایم کی شکل مین

ہوتا رہیگا جسوقت تک کسی خونی کے پوشیدہ جرم کے جواب مین دوسرا خون علانیہ اور بکمال بیدردی کیا جاتا رہیگا، اسوقت تک اس خون کی چھینٹین جیسی جلاد کی جنبش شمشیر نے بہایا ہی بارش کے قطرات بن کر تمام عالم پر برستی رہین گی اور خونی کو جو قتل کی سزا دی جاتی ہی اس سزا کی سزا مین جنگ کا دیوتا لاکھون بے گناہون کی جان لیتا رہیگا،

یہ وہ پیام جنگ ہے، جو انسانیت تمام اقوام کو دے رہی ہے،

وہ دن آنے والا ہے، جب ان چیزون کا خاتمہ ہوگا، اس لیے کہ "ہلاک کرنا" کی صدا اب کسی غیر کی، کسی باہر والے کی صدا نہین رہی ہے، یہ صدا خلقت کے قلب سے بلند ہو رہی ہے، انسانیت کا یہ پیغام اب نفوس مین زندہ ہو رہا ہے، اور دنیا کو ایک نئی ہدایت کر رہا ہے، اسکی تعلیم ایک بلند تر فرض، فریضۂ انسانیت کی تعلیم ہی، سیکڑون ہزارون برس مین انسان نے اتنا سیکھا کہ قوم و ملک کے حقوق، خاندان کے حقوق سے افضل و برترین، محبت وطن کا مرتبہ خاندان سے بڑھا ہوا ہے، اور وطن کی خدمت پر اپنی جان اور اپنے خاندان کو قربان کر دینا چاہیے، اب ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہیے اب اسے یہ تعلیم حاصل کرنا چاہیے کہ حقوق انسانیت، حقوق وطنیت سے بھی بالاترین، اور محبت خلق کا مرتبہ محبت وطن سے کہین بڑھکر ہے، انسان کو اپنی جان بے تنک قربان کرنا چاہیے، مگر اس شے پر نہین کہ اسکے وطن کو کوئی بات حاصل ہو، بلکہ اس شے پر کہ عالم انسانی مین اسکے وطن کو

کوئی مرتبہ حاصل ہو،

جون جون انسان کے دل مین اس وطن اعظم کا خیال راسخ ہوتا جائیگا، اسی مناسبت سے اس مین انسانیت کا درد واحساس بھی بڑہتا جائیگا،

انسان حقیقۃً صرف وہ ہے جس مین انسانیت کا احساس موجود ہے، جس کا قلب یہ آواز دیتا رہتا ہے، کہ" مین پہلے انسان ہون، اور اسکے بعد انگریز، جرمن، روسی یا جاپانی ہون، محب وطن ہونے سے پیشتر مین انسان ہون، میرا سب سے مقدم فرض انسانیت کا ہے، اسکے بعد کسی ملک کے باشندہ ہونے کا"

قانون انسانی کی سب سے اہم دفعہ یہ ہے، کہ ہر شے پر انسانیت اور حیات بشری کا احترام مقدم ہے، اور انسان کے لیے سب سے بڑی شریعت یہ ہے کہ "ہلاک نہ کرنا"

اپنے ملک کے لیے جان دیدینا، بہ مقابلہ اپنے خاندان کے لیئے زندہ رہنے کے بے شک ایک بڑی بات ہے، لیکن اپنے ملک کے لیے جان دینے سے بڑھکر یہ بات ہے کہ کسی دوسرے کی جان نہ لی جائے، کسی حالت مین اور کسی موقع پر بھی،

اسی جنگ کے دوران مین ایسے اشخاص نکلے ہین، جو اس معیار انسانیت پر بالکل پورے اترے ہین، انھون نے اپنی جان دیدینا قبول کیا، لیکن دوسرے کی جان لینا گوارا نہ کیا، وہ قلب پاکیزہ اور غیر خون آلودہ ہاتھون کے ساتھ دنیا سے اٹھ گئے وہ انسانیت کی روح مین شامل ہو گئے ہین، اور اسی کے ساتھ ابد الآباد تک زندہ

رہین گے،

انسانیت ایک زندہ وجود ہے، وہ نابینا ہین، جو اسے محض ایک لفظ سمجھتے ہین،
افراد واقوام کی طرح وہ ایک حقیقی وجود رکھتی ہے، اور اپنے وجود کا احساس رکھتی ہے،
خواہ اقوام وافراد اسکے وجود سے بیخبر ہون، سب کی اصلی مان وہی ہے جو اپنے بطن سے
سب کو پیدا کرتی ہے، اپنے آغوش مین سب کی پرورش کرتی ہے، اور جس کے اوپر
سب کی زندگی کا انحصار ہے، یہ اسی کی قوت ہے جو اقوام مین زندگی قایم کئے ہوے ہے
یہ اسی کا خون ہے جو سب کی رگون مین دوڑ رہا ہے،

یہ زندہ ہستی ایک زندہ جسم بھی رکھتی ہے، اور مختلف اقوام اسکے مختلف اعضا ہین
جو بہ لحاظ تعلقات ایک دوسرے سے بالکل پیوستہ ہین، اس کا قلب زندہ ہے، مگر اسوقت
افراد کے قلوب مین سو رہا ہے، اس لیے کہ ابھی ان مین عام محبت کا جذبہ نہین پیدا
ہوا ہے،

وقت آگیا ہے کہ اس زندہ جسم کا ایک غور وفکر کرنے والا دماغ بھی پیدا کیا جاے
اور اسکے لیے ضرورت ہے کہ ہر قوم کے وہ افراد یکجا ہون، جو گویا انسانیت کے دماغ سے
سوچتے رہتے ہین، آیندہ اقوام کی رہنمائی وسرداری انھین کے ہاتھ مین ہوگی،

جب شہرون کی طاقتون نے مجتمع ہوکر اقوام موجودہ کی تخلیق کردی، اور ان کے
عجائب وغرائب کا ظہور ہونے لگا، توجسوقت سارے عالم انسانی کی قوتین یکجا ومتحد

ہو جائین گی، اسوقت معلوم نہین کن کن معجزات کا ظہور ہونے لگے گا، اسوقت جبکہ انسانیت مین تنظیم پیدا ہو چکی ہو گی، جبکہ انسانیت خود اپنی قسمت کی مالک ہو چکی ہو گی، جبکہ وہ اپنی موجودہ ادنیٰ زندگی کی بندشون سے آزاد ہو چکی ہو گی، اوسوقت وہ "انسان جدید" کو پیدا کریگی جسکی آمد کا فطرت کو انتظار ہے، اوسوقت موجودہ پرارمان خوابون کی تعبیر نکلے گی،

اے دیوانہ انسان! تو آج اپنا گوشت اپنے ہاتھون نوچ رہا ہے، اپنے ہاتھون اپنی قبر کھود رہا ہے، وقت آگیا ہے کہ تیرے امراض کو شفا ہو جائے، اور تیرا شعور و احساس بیدار ہو جائے،

اے اقوام! تم آج اس سے بے خبر ہو کہ ایک ہی جسم کے مختلف اعضا ہو، تم آج ایک دوسرے کی خون ریزی مین مصروف ہو، وقت آگیا ہے کہ تمھین اس باہمی مقاتلہ سے نجات ملے، اور تم مین یہ احساس پیدا ہو جائے کہ تم سب ایک روح اور ایک قالب ہو، اپنے مین انسانیت کا احساس بیدار کرو،

اور اے روح ربّانی، تو اسوقت افراد و اقوام سب کے نفوس مین حالت خواب مین ہے، تیری بیداری کا وقت آگیا! اب بیدار ہو، بیدار ہو،

تبصرہ

از

مؤلف

باب ۱

امن کا مفہوم

پیام امن کی منادی ایک فرینچ فلسفی کی زبان سے ہوچکی، لیکن چشم تصور دیکھ رہی ہے کہ بعض چہرون پر بجاے تسکین واطمینان کے اب بھی شک وتذبذب کے آثار نمایان ہین ممکن ہے، اسکا باعث تقریر کا اجمال اور صحبت کا اختصار ہو، اگر ایسا ہے تو صحبت کی عمر کچھ دیر کے لیے بڑھائی جاسکتی ہے، صفحات آیندہ مین اسکی کوشش کی جائیگی کہ جو گرہین ابتک باقی رہ گئی ہین انھین بھی کھول دیا جاے،

منطقی حیثیت سے اس بحث مین تنقیحات ذیل قایم ہوتی ہین

۱ امن کی تعریف کیا ہے ؟

۲ نقض امن کے کیا کیا محرکات واسباب ہوتے ہین ؟

۳ حصول امن کی کوششین ابتک کیون ناکام رہین ؟

۴ کیا اب کسی طریقہ سے کامیابی ہوسکتی ہے ؟

ابواب آیندہ ترتیباً انھین سوالات کا جواب دین گے، ان کے بعد مسئلہ پر ایک مذہبی نظر ہوگی، رفع شکوک وتوضیح مطالب کے لیے دیباچہ مین چند سطرون کی جگہ نکالی گئی ہے

امن کی تعریف، بہ پابندی قواعد منطق، مرتب کرنا دشوار ہے لیکن دشواری سے قطع نظر کرکے یہ کوشش لا حاصل بھی ہے، اسلیے کہ ذہن ان تصورات مجردہ کا مفہوم انکی منطقی تعریفات کی بنا پر اخذ ہی نہین کرسکتا، ایسی چیزون کی شناخت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انکے اضداد ان کے سامنے لائے جائین، تاکہ دونون کی خصوصیات کے تضاد و تقابل سے ذہن از خود ایک مفہوم اخذ کرلے،

تاریکی کا اگر تجربہ نہو تو روشنی کا لفظ بے معنی ہے، تندرستی کی شناخت اپنی ضد بیماری ہی کے باعث ہوتی ہے، بدصورتون سے اگر واقفیت نہو تو حسن کا کوئی مفہوم ذہن مین نہ پیدا ہوگا، ٹھیک اسی طرح امن کا مفہوم صرف اسی وقت سمجھ مین آسکتا ہے جب بدامنی سے اس کا تقابل کیا جائے،

جنگ اپنے وسیع معنی مین بدامنی کے مرادف ہے، جو مفہوم بدامنی کا ہی ٹھیک ٹھیک وہی معنی جنگ کے بھی ہین، لیکن جنگ اپنے محدود معنی مین بدامنی کی ایک خاص صورت کا نام ہے، جنگ و بدامنی اصولاً دو جداگانہ و ممتاز چیزین نہین، فرق صرف یہ ہے کہ عام بدامنی کسی اصول یا ضابطہ کے ماتحت نہین ہوتی، اور جنگ اپنے متعین قواعد و ضوابط رکھتی ہے، گویا بدامنی کی نسبتہً شایستہ صورت کا نام جنگ ہی،

دیکھنا یہ ہے کہ حالت جنگ کے خصوصیات کیا کیا ہوتے ہین،

۱ جنگ کی سب سے پہلی اور بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ قوت فیصلہ زبان شمشیر کو حاصل ہوجاتی ہے، مناقشات کا فیصلہ حق و ناحق کی بنا پر نہین بلکہ فریقین کی قوت و طاقت

کی بنا پر ہوتا ہے، یا کم از کم یہ کہ کوشش اسی کی کی جاتی ہے،

۲- بہت سے اعمال جن کا ارتکاب عموماً اخلاقی حیثیت سے معاصی کے درجہ مین رکھا جاتا ہے حالت جنگ مین جائز ہو جاتے ہین، خون ریزی، تشدد، مکر، خیانت زنا کاری، یہ تمام اعمال جو عموماً ذمایم اخلاق کے انتہائی نمونہ سمجھے جاتے ہین، حالت جنگ مین انکا ارتکاب فریق مخالف کے مقابلہ مین نہ صرف جایز بلکہ اکثر صورتون مین واجب قرار پاجاتا ہے،

۳ اتحاد و اشتراک جو حیات اجتماعی کے لیے بہ منزلہ بنیاد کا ہے حالت جنگ مین بے اثر ہو جاتا ہے۔ اور اسکی جگہ انتقام و مخالفت کی قوتین لے لیتی ہین، اتحاد و اشتراک ظاہر ہے کہ بالکل فنا نہین ہو جاتا، بلکہ حالت جنگ مین بھی ایک فریق کے مختلف اجزا اپنے مین لازماً قایم رکھتے ہین، لیکن اس اتحاد و اتفاق کا منشا صرف اسقدر رہتا ہے، کہ فریق مخالف کی تخریب و بربادی مین زیادہ سہولت ہو،

ان کے علاوہ حالت جنگ کے اور بہت سے خصوصیات ہوتے ہین، مثلاً افراد عموماً جو اپنی تعلیمی، معاشری، اجتماعی و اخلاقی ترقی مین مصروف رہتے ہین، یہ مشاغل اسوقت بالکل معطل ہو جاتے ہین وقس علی ہذا لیکن حالت جنگ کے اساسی مظاہر یہی تین ہوتے ہین جو اوپر درج ہوئے، ان کے مقابلہ مین نمایان خصائص امن حسب ذیل ہین،

۱- فصل خصومات کی بنا قوت و طاقت نہین بلکہ حق و استحقاق ہوتی ہے اور کوشش یہ رہتی ہے کہ قانون کا فیصلہ ناطق رہے جسکے سامنے اعلی و ادنی قوی و ضعیف، سب کو

یکسان گردن اطاعت خم کر دینا پڑے،

۲- ایسے افعال جن سے دوسرون کی جان ومال، عزت وناموس، کسی شے کی حق تلفی ہوتی ہو، جرایم سمجھے جاتے ہین، اور انکے لیے سخت سزائین مقرر رہتی ہین،

۳- حیات اجتماعی کی ساری مشین کی گردش اتحاد واشتراک کے محور پر ہوتی رہتی ہے، مدرسہ، مینوسپلٹی، بینک، کارخانہ، تجارت گاہین، تماشہ گھر، ان مین سے ہر شے اپنے وجود کیلئے اسکی محتاج ہے کہ افراد باہم اتحاد واشتراک کے لیے آمادہ ہون،

امن وجنگ کے یہ فروق خارجی (ظاہری) حیثیت سے تھے، لیکن ہر ایسی شے جس کا تعلق انسانی نفس وکردار سے ہے، اپنے کچھ داخلی ونفسی خصوصیات بھی رکھتی ہے، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ حالت امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو حالت سکون واطمینان مین رکھتا ہے، اسے دوسرون سے خواہمخواہ بغض وعداوت نہین ہوتی اور ہر شخص بہ اطمینان ان مشاغل مین مصروف رہتا ہے جن سے وہ اپنی فلاح وابستہ سمجھتا ہے. بخلاف اسکے حالت جنگ مین انسان اپنے تیئن ہنگامہ آرائیون مین محصور پاتا ہے انتقام وبرہمی کے جذبات اسکے دل مین مشتعل رہتے ہین اور سکون قلب وطمانیت خاطر کا اپنے گرد نشان تک نہین پاتا،

گویا امن نام ہے اس حالت کا جس مین داخلی حیثیت سے انسان سکون خاطر محسوس کرتا ہے، اور خارجی حیثیت سے جس مین قانون وآئین کی عملداری ہوتی ہے

امن کی اس تعریف سے ایک ضمنی مسئلہ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عالمگیر امن ممکن العمل ہے، درآنحالیکہ عالمگیر جنگ سرے سے ممکن العمل ہی نہین، ایسی حالت کے فرض کر لینے مین کم از کم کوئی منطقی استحالہ یا تناقض نہین لازم آتا، کہ بلا استثنا، دنیا کا ہر شخص ایک دوسرے کی امداد و اعانت، شرکت و خدمت اپنا فرض سمجھنے لگے، اور اپنے ہر عمل مین دوسرے کی ضروریات و آسایش کو اپنی ضروریات و آسایش پر مقدم رکھنے لگے، ایسی صورت فرض کرنے سے نظام عالم مین کوئی خلل تصور مین نہین آتا، بخلاف اسکے جنگ کی پوری طور پر عالمگیری تصور مین بھی نہین آسکتی۔ خوب غور کرو کہ اگر ہر ہستی بشری دوسری ہستی بشری کی دشمن ہو جائے، اگر بھائی بھائی کو باپ بیٹے کو، مان بیٹی کو قتل کرنے لگے تو کائنات انسانی کی زندگی کتنی دیر کی مہمان رہ سکتی ہے، نظام کائنات کا قیام اور جنگ کی کامل عالمگیری یہ دونون تصورات باہم تناقض ہین،

آیندہ صفحات مین حصول امن کی تدابیر وغیرہ پر جو گفتگو ہوگی، وہ سب امن کے اسی معنی کے لحاظ سے ہوگی، لیکن معترض کہہ سکتا ہے کہ امن کا وجود دنیا مین ہے کہان؟ جن ممالک مین جن زبانون مین امن سمجھا جاتا ہے وہ بھی مُصرحہ بالا معنی مین امن سے خالی نظر آتے ہین، یعنی جو ممالک مشغول جنگ نہین ہین ان مین بھی صدہا کارروائیان ہر وقت ایسی نظر آئین گی جو امن کامل کے منافی ہین حکام کا ظلم، رعایا کی شورش، آپس کی مخالفت، ایک دوسرے کی مزاحمت، ان چیزون سے دنیا کا بہتر سے بہتر ملک بھی کب خالی ہے؟ پس ایک وہمی و خیالی شے کے حصول کی کوشش جو دنیا مین اب تک

غیر موجود رہی ہے، کون سی دانشمندی ہے،

لیکن معترض نے اس پر غور نہین کیا، کہ انسان جس کسی غایت یا مطمح کے حصول کے درپے رہتا ہے ان مین سے کسی ایک تک بھی اسکی رسائی پوری طرح نہین ہو سکتی تاہم اسکے لیے سعی و کوشش اسکی فطرت مین داخل ہے صحت جسمانی کے لیے کوئی کامل نمونہ آج انسانی آبادی مین موجود ہے؟ بڑے سے بڑے تندرست شخص، بڑے سے بڑے طاقتور پہلوان کی صحت مین بھی کسی نہ کسی حیثیت سے کچھ نقص یقیناً پایا جاتا ہے، بااین ہمہ ہر شخص صحت کی تلاش مین رہتا ہے حُسن کامل دنیا کے لیے عنقا ہے، حسین ترین ہستی بھی کوئی نہ کوئی عیب ضرور رکھتی ہے، تاہم حسن کی تلاش کو کوئی شخص مہمل نہین قرار دیتا کامل نیکی کا بلا شائبہ بدی دنیا مین وجود ہر شخص محال تسلیم کریگا، تاہم ہر شارع مذہب اور ہر حکیم اخلاق دنیا کو اسی کی دعوت دیتا ہی،

غرض کسی مطمح (آئیڈیل) کا تمامہ انسانی دسترس مین نہ آنا اس کا باعث نہین ہو سکتا کہ سرے سے اسکے حصول ہی کا خیال چھوڑ دیا جائے، بلکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ اس ناقص دنیا مین اپنے ناقص قویٰ کی مدد سے جس حد تک بھی اسکا حصول کر سکے اسکی سعی مین مصروف رہے اور اس لحاظ سے تلاش امن اسی قدر معقول، ضروری، اور مقتضائے فطرت ہے جس طرح صحت کی فکر، حسن کا ذوق، اور حسن عمل کی سعی

باب ۳

اہل تدبیر کی واماندگیان

دنیا صدیون سے مجروح ہوتی چلی آرہی ہے، لیکن پچھلے چند سال کی مسلسل وہولناک خونریزیون نے تو سطح ارض کو ایک مستقل میدان قتال کی صورت مین تبدیل کر دیا ہی، نوبت یہ پہنچی ہو کہ قلب انسانی زخمون سے چور چور ہے، اور انسان انسان کے نام سے پناہ مانگنے لگا ہے، جو ممالک شریک جنگ و معروف پیکار نہ تھے ان مین بھی اندرونی شورشون اور خانگی مناقشات کی کثرت نے امن و اطمینان کے وجود کو عنقا کر دیا ہے، ہر طبقہ دوسرے طبقہ، ہر ملک سے دست وگریبان ہے، اور ہڑتالون اور مظاہرون کے تسلسل نے نظم و سکون کے شیرازہ کو سرے سے درہم و برہم کر دیا ہے،

مغرب مین اسوقت بہترین دل و دماغ کے افراد موجود ہین، انکی قوت ایجاد و اجتہاد کا غلغلہ فضائے عالم مین بلند ہے، ان کے ایجاد کردہ وسایل سفر نے بُعد مسافت کے لفظ کو بے معنی بنا دیا ہے، انکے حیرت انگیز آلات خبر رسانی نے قرب و بعد کے امتیاز کو فنا کر دیا ہے، خواص مادہ و قوت کا کوئی راز ان سے مخفی نہین، قوانین فطرت و نوامیس طبعی ایک ایک کر کے ان کے نوک زبان ہین، انکا فن طبابت، بقراط و جالینوس کے کمالات کو بازیچہ اطفال بنا چکا ہے، انکی بلند پروازی وسعت ارض کو اپنے لیے ناکافی پاکر آسمان پیمائی مین مصروف ہو گئی ہے، یہ سب کچھ ہے لیکن کیا دنیا کو غسل خونین سے

نجات دنیا ان داعون کی قوت واستطاعت سے باہر[1] ہے؟ کیا ابتک انھون نے اس پر توجہ نہین کی؟ یا توجہ کی اور ناکام رہے؟

(جو لوگ مغرب اور مغربی تمدن سے مرعوب ہین، انکے ذہن مین اس قسم کے سوالات کا حیرت واستعجاب کے ساتھ پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے، لیکن جن اشخاص نے بغیر تعصب و مرعوبیت کے سچائی اور سنجیدگی کے ساتھ واقعات پر نظر رکھی ہے

[1] اس سلسلہ مین راقم ہذا کے دو نوٹ جو رسالہ معارف (اعظم گڈھ) مین آغاز ۱۹۲۲ء مین شائع ہوئے تھے، غالبًا خالی از لطف نہونگے، وہ حسب ذیل ہین،

فرنچ اکاڈمی (پیرس) نے حال مین اعلان کیا ہے کہ جو شخص اس سال مین کسی دوسرے سیارہ کے باشندون سے نامہ وپیام کا طریقہ دریافت کردے، اسے ایک لاکھ فرنیک (فرانس کا ایک سکہ) انعام ملیگا، اہل فرانس کی ہمت وفکر کی یہ بلند پروازی وآسمان پیمائی بے شبہ قابل داد ہے، لیکن اگر یہی رقم روے زمین پر امن وسکون قایم رکھنے کی کوشش مین صرف کی جاتی تو تمام دنیا اور خود یورپ کے حق مین اس سے کہین زاید مفید ہوتا،

....

یورپ کی ہمت وقوت اختراع کے امتحان کا اصلی وقت وہ ہوگا، جب کرہ ارض اور اس نو دریافت سیارہ کے باشندون کے درمیان سلسلہ جنگ چھڑیگا، اور آسمان وزمین کی درمیانی فضا عرش نشین وخاک نشین فریقین کی آتشباریون اور جہانسوزیون کی

(معارف جلد ۹ نمبر ۵)

وہ جانتے ہین کہ یورپ کا دماغ اہم و پیچیدہ مسائل کے سمجھنے مین کیسی شدید غلطیان کرتا ہے، اس کا نظام معاشرت و تمدن کتنی کمزور بنیادون پر قایم ہے، اور اسکے علوم و فنون کس کثرت سے مغالطات و مسامحات کے پردہ دار ہین، آلات، کلون، اور برقی و دخانی کارخانون نے دنیا کو جو ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے ہین، مغربی طب نے معمولی امراض کی تشخیص مین جو صریحی غلطیان کی ہین، مادی نظام تعلیم نے جس طرح جرائم کی تعداد روز افزون کر دی ہے، جدید آئین معاشرت نے جس طرح صحت کو برباد، اوسط عمر کو کم اور بداخلاقیون مین اضافہ کیا ہے، اور تمدنی نفاستون و نزاکتون نے جس طرح قواے انسانی کو مستقلاً ضعیف کر دیا ہے، ان چیزون کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہی)

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا، اس عام صورت حال سے قطع نظر کرکے مخصوص اس تماشاگاہ ہی ہو گی، حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے، کہ جن دماغون کی پرواز فکر کے لیے فضاے ارض ناکافی ہے، اور جنکی بلند ہمتی کا جوش سقف فلک سے ٹکرا رہا ہے۔ وہ اتنی بات پر قادر نہین کہ روے زمین پر نہ سہی، یورپ ہی مین، یورپ بھر مین نہ سہی، اسکی کسی ایک سلطنت مین۔ سلطنت بھر مین نہ سہی، اسکے کسی بڑے صوبہ مین امن و سکون کی حکومت قایم کر سکین! گلستان کا ترجمہ یورپ کی متعدد زبانون مین ہو چکا ہے، کیا ابتک محقق شیراز کا یہ مشہور شعر فرنچ اکاڈمی کے فاضل ارکان کی نظر سے نہین گذرا، ؎

تو کار زمین را نکو ساختی — کہ با آسمان نیز پرداختی

مسئلہ سے متعلق یورپ اسوقت تک کافی کوششین کرچکا ہے، خون ریزی و بدامنی ایسی شے نہین جو خوشی سے گوارا ہوسکے، یورپ جو مدت سے اس بلا کا ہدف بنا ہوا ہے، ابتک بیسیون تدابیر اسکے انسداد کی کرچکا ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ کُل علاج ابتک ناکام رہے ہین، ان مین سے بعض اہم تدابیر کا ذکر یہان کیا جاتا ہی،

۱- یورپ کو جنگ کے مقابلہ مین سب سے بڑی سپر تجارت اور صنعت وحرفت کی معلوم ہوئی۔ خیال یہ تھا کہ بڑی بڑی تجارتی کوٹھیان اور کارخانہ قایم کرنے سے اتنی فرصت کس کو ملے گی جو حرب وضرب کا خیال بھی کرسکے، گویا حُب زر کی قوت حُب حکومت کو توڑ دیگی، اور زر پرستی کے سامنے حکومت پسندی کا نشہ ہرن ہو جائے گا، ہر ملک تجارتی واقتصادی حیثیت سے دوسرے سے بالکل وابستہ وپیوستہ ہو جائے گا، اور ان تعلقات کو توڑنا گویا اپنے ہاتھون اپنے تیئن ہلاک کرنا ہوگا، پس اس خوف سے خود بخود امن کی حکومت عالم گیر ہو جائے گی،

علاج کے ظاہر فریب ہونے مین شک نہین، لیکن کارکنان فطرت نے اس وہم کو یون باطل ثابت کیا کہ تجارت کو بجاے مانع جنگ ہونے کے ایک خاص محرک جنگ بنا دیا! ہر قوم کی نظر اس پر رہتی ہے، کہ دنیا کے بہترین بندرگاہ اسکے قبضہ مین رہین تاکہ ساری دنیا کی تجارت اسکی مٹھی مین رہے، اور رجحان اس مقصد مین کشاکش ہوئی بس وہین جنگ شروع ہو جاتی ہے، گزشتہ جہانسوز جنگ کی اسقدر طوالت کا باعث محض انگلستان وجرمنی کی شرکت ہوئی، لیکن ان دونون کی شرکت کی اصلی

علت محض انکی باہمی تجارتی رقابت تھی۔ کسی زمانہ مین بیشتر محاربات دوسرے مقاصد کے لیے ہوتے تھے، لیکن اب تو ۸۰ بلکہ ۹۰ فی صدی جنگون کی اصلی علت یہی تجارتی رقابت ہوتی ہے، بہ قول اکبر؎

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے ہر اب تو جنگ صرف تجارت کے واسطے

۲ دبار جنگ کا ایک دوسرا علاج جمہوریت سوچا گیا، اہل یورپ نے اپنے استقصاء سے پایا کہ زمانہ قدیم مین جنگین عموماً سلاطین و امراء سلطنت ہی کی جاہ پرستیون کے نتائج ہوتی تھین اور رعایا کی جانین خواہ مخواہ ان کی جاہ پرستیون پر قربان ہو جاتی تھین، پس اگر نظامات حکومت بدل دئے جائین، یعنی بجائے سلاطین و وزراء کے عنان اختیار ،،جمہور،،یا،،قوم،، کے ہاتھ مین آجائے تو جنگ کا وجود دنیا سے رخصت ہوجائے اس لئے کہ قومین آپس مین رشتہ مواخاۃ رکھتی ہین اور ان مین باہم حسد و رقابت پیدا ہونے کی کوئی وجہ نہین :

یہ خیال اگرچہ تاریخی شہادتون کے قطعاً برخلاف تھا تاہم اس نسخہ کی بھی نظر فریبی مین شبہہ نہ تھا، لیکن تازہ تجربات نے آنکھون سے دکھا دیا، کہ جنگجوئی، خون آشامی، خودغرضی، و دیگر جذبات رذیلہ مین ،،قوم،، و جمہور، افراد سے ایک قدم بھی پیچھے نہین، بلکہ چند قدم آگے ہی ہے، پچھلی عالمگیر جنگ کے لئے کرورون روپیہ کی منظوری اور وہ بھی ایک بار نہین، متعدد بار کس نے دی؟ انگلستان کی ،،پارلیمنٹ،، نے، فرانس کے ،،چیمبر آف ڈپوٹیز،، نے، جرمنی کے ،،ڈایٹ،، نے، اور امریکہ کے ،،سینیٹ،، نے، یہ آوازین اگر ،،قوم،، ،،جمہور،، کی تھین، تو پھر کن چند دن کی

قوم کی آواز کا اطلاق ہوگا،

۱۹۰۰ء مین جنگ ٹرانسوال کے موقع پر مشہور رئیس صحافت مسٹر اسٹیڈ نے جنگ کی مخالفت کی، لیکن انگریزی قوم نے انکا ناطقہ بند کردیا، حال کی عالمگیر جنگ کی مخالفت لارڈ مارلے جیسی زبردست شخصیت کے مدبر نے کرنا چاہی، لیکن قوم کی برہمی نے انکی زبان پر مہر لگادی، اور نامور فلسفی سر برٹرنیڈ رسل نے ہمت کرکے زبان کھولی، تو قوم نے انکو دلائل کا جواب سلاسل زندان سے دیا، امریکہ مین پریسیڈنٹ ولسن نے شروع شروع شرکت جنگ سے بے انتہا گریز کیا، لیکن قوم کی متفقہ آواز کے سامنے بالآخر انھین گردن ڈالدینا پڑی، انگلستان، فرانس، جرمنی، امریکہ ہر ملک مین مقبولیت وہردلعزیزی کے حصول کا راز صرف اسقدر تھا کہ جنگ کی پُر زور تائید کی جائے، جن مدبرین کو ووٹ زیادہ حاصل کرنے ہوتے تھے، انکے پاس اس سے زیادہ چلتا ہوا اور کوئی افسون نہ تھا کہ جنگ کی حمایت مین پرجوش تقریرین کردین،

جو اخبارات جنگ کی مخالفت کرتے تھے معًا انکی اشاعت گھٹ جاتی تھی، جو افراد صلح و آشتی کے فضایل پر تقریرین کرنا چاہتے تھے، انکی زبانین دلایل کے زور سے نہین بلکہ قوت بہیمی کے زور سے بند کردی جاتی تھین، چنانچہ فرقہ صلح جو کی مجلسون مین بارہا اینٹ اور پتھر پھینکے گئے، یہان تک کہ اس فرقہ کے لیے اپنے جلسون کا انعقاد ناممکن ہوگیا سوشلسٹ گروہ (اشتراکیہ) کی تعلیمات سے پوری توقع تھی کہ وہ قتل وخونریزی کی مخالفت کریگا، لیکن آنکھون نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ ہر ملک کا سوشلسٹ گروہ اپنی اپنی سلطنت کی فوجی طاقت سے متحد ہوکر بہ کمال بلند آہنگی موت وہلاکت کے شکاری کتون کو میدان

جنگ مین للکار رہا ہی،

غرض ان پیہم مشاہدات و تجربات نے بڑے سے بڑے غفلت شعارون کی آنکھین بھی اس حقیقت کی جانب کھول دین کہ امن و صلح کا ضامن "قومیت" و جمہوریت" کو سمجھنا پانی کی بنیادون پر اینٹ اور پتھر کی عمارت تیار کرنا ہی،

۳- انیسوین صدی کے خاتمہ کے قریب خوش دماغان یورپ کے ذہن مین یہ بات آئی کہ اگر تصفیہ نزاعات و فصل خصومات کے لیے ایک باضابطہ مرکزی عدالت قایم کر دی جائے جو مختلف سلطنتون کے باہمی مناقشات کا فیصلہ کر دیا کرے تو جدال و قتال کی قطعاً کوئی ضرورت نہ باقی رہجائے گی اور یورپ امن کی برکتون سے بے خوف و خطر بہرہ اندوز ہونے لگے گا، چنانچہ نامور سلاطین اور مشاہیر مدبرین نے اس تجویز پر ہر طرف سے لبیک کہا، یہان تک کہ ہیگ (ہالینڈ) کو ایک مستقل مجلس مصالحت کا مستقر بنایا گیا، اور سیاسی کاہنون نے جنگ کے خاتمہ کی وثوق و تیقن کے ساتھ پیشین گوئی کر دی،

تخیل یہ بھی بجائے خود دلکش تھا، لیکن ابھی ایک طرف مسرت کے شادیانے شروع ہی ہو رہے تھے کہ ساتھ ہی دوسری طرف افریقہ مین طبل جنگ پر چوب پڑی! جنگ سوڈان، جنگ ٹرانسوال، جنگ روس و جاپان، جنگ طرابلس، جنگ بلقان، یہانتک کہ دیکھتے دیکھتے مشرق سے لیکر مغرب تک ایک آگ لگ گئی، اور زمانہ کی نیرنگی دیکھو کہ اس نہ بجھنے والی آگ کو جس دست شاہی نے سب سے پہلے دیا سلائی سے مشتعل کیا وہ وہی تھا جس نے ہیگ کی صلح کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا تھا، یعنے شہنشاہ آسٹریا! آگ

لگی اور اس قیامت کی لگی، کہ ہیگ مین مفاہمت و مصالحت کے پانی کا جو ذخیرہ فراہم کیا گیا تھا، اسکے دھارے ایک شعلہ کو بھی نہ بجھا سکے! ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس،

لیکن "عاقبت اندیش" یورپ کے لیے شاید یہ تجربہ بھی بے اثر رہا ہے کہ اب اسی تجویز کو ایک دوسرے قالب مین، لیگ آف نیشنز (مجلس اقوام) کے نام سے عملی جامہ پہنایا جارہا ہے اور اس نبیاد کے سہارے پر آیندہ صلح و امن کی سربفلک عمارت کا نقشہ تیار کیا جارہا ہے۔ یورپ کو بہت بڑا اعتماد سائنس کی قوت پر تھا، امید یہ تھی کہ سائنس کی روز افزون ترقی جنگ و جدال کو بالآخر محال بنا دیگی، یہ امید عوام الناس ہی کی نہ تھی، بلکہ اس مین حکماء و علماء بھی شریک تھے، اور اس نیتجہ کے ظہور پذیر ہونے پر دلایل و براہین قایم کرتے تھے چنانچہ بیسوین صدی کے آغاز مین ایک روسی پروفیسر نے مخصوص اسی بحث پر ایک تصنیف شایع کی، جس مین دلایل ریاضی سے یہ ثابت کیا کہ موجودہ آلات حرب کے ساتھ اگر دو فوجین مساوی تعداد مین ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہون، تو یہ صف آرائی قطعاً بے سود رہیگی، اسلیے کہ جبتک ایک فوج کی تعداد دوسرے سے سہ چند نہو، اسکے لیے اپنے حریف پر حملہ کرنا حسب اصول و قواعد ریاضی محال ہوگا، اور چونکہ ایک فریق کا دوسرے کے مقابلہ مین یہ تناسب رکھنا مستبعد ہے، اسلیے لامحالہ جنگ کا خاتمہ ہوجائیگا!

پروفیسر صاحب کی ذہانت کی داد معلم فطرت نے یہ دی، کہ ابھی انکی تحریر کی روشنائی بھی نہین خشک ہونے پائی تھی، کہ خود انھین کے ملک اور جاپان کے درمیان آویزش شروع ہوگئی، اور فاضل مصنف کی آنکھون کے سامنے ان کے دوست و دشمن لاکھون کی تعداد مین

کارزار ہستی مین سلطان اجل کے بے پناہ حملون سے بسمل ہو ہو کر گرنے لگے، اور یہ مسئلہ غیر متحقق رہگیا کہ موت نے نوشتہ نے اپنی کارفرمائی مین پروفیسر موصوف کے ثابت کردہ اصول و قواعد ریاضی کی کس حد تک پیروی کرنا ضروری سمجھا،

۵ اسی کے چند سال بعد دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء مین انگلستان کے ایک عالی دماغ نارمن اینگل نے (گریٹ الیوژن) "وہم عظیم" کے نام سے ایک معرکۃ الآرا کتاب شائع کی ہے، جس نے یورپ کے علمی و سیاسی حلقون مین ایک ہلچل پیدا کر دی، خلاصۂ مباحث یہ تھا کہ جنگ سے مفتوح کو تو نقصان پہنچتا ہی ہے خود فاتح بھی اقتصادی و معاشی حیثیت سے سرتاسر خسارہ مین رہتا ہے، اور چونکہ عموماً جنگ کی محرک یہی ہوس زر ہوتی ہے، پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ جنگ بجاے مفید ہونے کے فاتح کے حق مین الٹی مضر ہی پڑتی ہی، تو کوئی دانشمند فوج کشی کا خیال بھی نہ کریگا،

کتاب جس قابلیت سے لکھی گئی تھی اُسکی داد نہ دینا ناانصافی ہے، دعوے کے ثبوت مین بکثرت تاریخی شواہد پیش کئے گئے تھے، نتائج کی طرف ایک ایک قدم اصول اقتصادیات کی روشنی مین اوٹھایا گیا تھا، استدلال مین کہین سے خامی نہ تھی، ساتھ ہی کتاب کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی، کہ چار برس کے عرصہ مین کتاب کے چودہ اڈیشن شائع ہوئے! فرنچ، جرمن، روسی، جاپانی اسپینی متعدد زبانون مین ترجمہ ہوئے، انگلستان سے زاید دوسرے متمدن ممالک مین کتاب کی مانگ ہوئی، اور ہر مغربی ملک کے اخبارات و رسایل مین مدتون اس پر ریویو کا سلسلہ جاری رہا،

جنگ کے خاتمہ مین اب شک وشبہ کی کیا گنجائش رہ سکتی تھی، لیکن جنگ طرابلس جنگ بلقان، اور پھر جنگ جہانسوز، یہ سب وقعات اشاعت کتاب مذکور کے بعد کے ہین، دولت کی ہوس اقوام پر جیسے پہلے مسلط تھی اب بھی ہے اسکے بہ جبر حاصل کرنے کا جو خبط پیشتر تھا آج بھی جون کا تون ہے، اور انجام بینی سے جو بعُد ہمیشہ تھا، اس مین ابتک کوئی کمی نہین،

۶- گزشتہ جنگ کی ابتدا مین بعض ارباب قلم نے جو علی العموم صلح وآشتی کی حمایت مین رہا کرتے تھے، مگر اُسوقت قتل وخونریزی کی تائید کر رہے تھے، اپنی بریت مین بار بار یہ عذر پیش کیا کہ ہم لوگ محض اس اعتماد پر حربیت کی تائید کر رہے ہین کہ کشت وخون کے مہیب وہولناک مناظر دیکھتے دیکھتے خود فطرت بشری کشت وخون سے تنگ آجائیگی اور اس طرح یہ جنگ سلسلۂ محاربات کی خاتم ہوگی"

یہ فلسفہ نظری حیثیت سے جو کچھ بھی وقعت رکھتا ہو، عملی حیثیت سے یہ دیکھنے مین آرہا ہے کہ سالہا سال کی قیامت خیز خونریزیون کے بعد ان مشاغل سے اکتا نا کیسا، طبیعت اور زیادہ ادھر مایل ہوتی جارہی ہے، روس کے وسیع رقبہ مین پولینڈ سے لے کر ترکستان تک اس درمیان مین ایک دن بھی ایسا گزرا ہے کہ تلوارین نیام کے اندر ہی ہون، انگلستان اور افغانستان کے تعلقات اس اثنا مین کسی دن دوستانہ دمخلصانہ رہے، ترکی ویونان کی حدود کے درمیان اس عرصہ مین کسقدر خون کی ندیان بہین، تخفیف اسلحہ والی کانفرنس مین انگلستان، فرانس، امریکہ، جاپان کے تیور آیندہ کس زندہ طرز عمل کی غمازی کر رہے ہین؟ انگلستان، فرانس، امریکہ، جاپان واٹلی،

"فاتحین" مین سے کون سا ملک ایسا ہے، جسکی طبیعت جنگ و جدل سے سیر ہو گئی ہے؟ جرمنی، آسٹریا، ٹرکی، "مفتوحین" مین کس نے آیندہ خونریزی سے محترز رہنے کا عہد کیا ہے؟ آیرلینڈ، مصر، ہندوستان، افغانستان، عرب، عراق، شام، دنیا کی کونسی قوم ایسی ہے، جسکی پیشانی پر بل نہین، یا جسکا ہاتھ تلوار کے قبضہ اور پستول کے لبلبی پر نہین؟

غرض اس طرح یورپ نے امن عالم کی عمارت جن جن ستونون پر قائم کرنا چاہی، وہ سب ایک ایک کرکے پیوند زمین ہو چکے ہین،

باب ۴

نسخۂ شفا

"دُنیا عالم اسباب ہے" اس پر ہر مذہب، ہر جماعت اور ہر قوم کا اتفاق ہے، لیکن انسانی محرومیون اور ناکامیون کا سبب وحید صرف یہ ہوتا ہے، کہ یا تو اسباب تک اسکی نظر پہنچتی نہیں، یا اگر پہنچتی ہے تو ان اسباب کی فراہمی اسکے امکان سے باہر ہوتی ہے، موت، بیماری، اور دنیا کے تمام دیگر ناگوار واقعات کا ہدف انسان کو محض اسلیے بننا پڑتا ہے کہ انکے دفعیہ کے اسباب کی بہم رسانی اسکے ہاتھ مین نہین ہوتی،

جن چیزون کو عرف عام مین ناممکن کہا جاتا ہے انکے معنی بھی صرف اس قدر ہوتے ہین، کہ انکے اسباب کی آفرینش انسان کے اختیار مین نہین، انسان پانی کیون نہین برسا سکتا؟ اسلیے کہ اسباب نزول باران اسکے ہاتھ مین نہین، اجرام فلکی کی حرکت کو ہم اپنے ارادہ کا تابع کیون نہین بنا لیتے؟ اسلیے کہ انکی حرکت کے قوانین تک ہماری رسائی نہین، انسان موت سے بچنا کیون ناممکن سمجھتا ہے؟ اسلیے کہ حیات دوام کے اسباب اسکی دسترس سے باہر ہین،

یہ صحیح ہے کہ کسی شے کی آخری علت جو بجائے خود غیر معلول ہو ابتک ذہن انسانی نہین دریافت کرسکا ہے، تاہم اضافی حیثیت سے جسقدر بھی سلسلہ علت و معلول کی گہرائیون مین ہم اتر سکتے ہین اسی مناسبت سے یقینی و خاطر خواہ نتائج حاصل کرتے رہتے ہین، استاد

اگر تلامذہ کی دلکشی کے عناصر کو سمجھ گیا ہے تو درس کو یقیناً دلچسپ بنا سکے گا، طبیب سنے اگر مرض کے اسباب کو سمجھ لیا تو علاج کی نفع بخشی یقینی ہے، نیک چلنی کے محرکات جس حد تک ہمارے علم اور ہمارے اختیار مین آتے جاتے ہین اسی قدر نیک چلن بنا ہمارے لیے آسان ہوتا جاتا ہی،

اس بنا پر مسئلہ قیام امن کا صحیح حل اس امر پر ٹھرتا ہے کہ سب سے پہلے امن و صلح کی اصل علت کا پتہ لگایا جائے، پھر اگر اس کا حصول سعی انسانی سے ممکن ہے تو اسے پیدا کیا جائے اور نقص امن کی علت کو دور کیا جائے، گزشتہ باب مین ہم دیکھ چکے ہین کہ اہل مغرب نے ابتک متعدد تدابیر قیام امن کے لئے اختیار کیے لیکن یہ تیر ایک مرتبہ بھی نشانہ مقصد تک نہ پہنچ سکے، طبیب کا ذہن اگر اسباب مرض تک نہین پہنچا ہے تو قیامت تک اس کا علاج ناکام رہے گا،

لیکن کسی واقعہ کی علت دریافت کیونکر ہوسکتی ہے؟ معلول سے علت تک پہنچنے کی بحث منطق استقراء کا ایک مسئلہ ہے، اور حکماء مغرب نے استقراء صحیح کے متعدد طریقہ منضبط کئے ہین مل نے جو مغرب مین منطق استقراء کا بانی اور امام مانا جاتا ہے اس نے اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، اور اسکے بعد کے علماء منطق اسی کے نقش قدم پر چل رہے ہین، ان طرق استقراء مین سے بعض کی ضروری تصریح بیان کی جاتی ہی،

سب سے زیادہ آسان اور روزانہ زندگی مین کام آنیوالا طریقہ استقراء وہ ہی جسے طریق طرد (Method of agreement) کہتے ہین اور جسے مختصراً ان الفاظ مین

ادا کر سکتے ہین، کہ جب واقعہ زیر تحقیق کی چند مثالون مین ایک ہی جزیہ مشترک ہو تو یہ جزیہ ان واقعات وحوادث کا یا سبب ہوگا یا نتیجہ، مثلاً یا پھر رابطہ علت، ہم نے یہ مشاہدہ کیا کہ

۱ الف ب ت سے خ د ہ پیدا ہوئے،

۲ الف ب ج سے خ د ک پیدا ہوئے،

۳ الف ح ک سے خ ن ف پیدا ہوئے

۴ الف ل م سے خ ق گ پیدا ہوئے

اس مثال مین ہمین واقعہ خ کی علت دریافت کرنا ہے، ہم نے متعدد مثالون مین مشاہدہ کیا کہ جب جب خ کا وجود ہوا ہے تو اسکے مقدمات مین الف ضرور موجود رہا ہے، باقی اور مقدمات برابر بدلتے رہے، لیکن انکی تبدیلی کا خ پر کوئی اثر نہین پڑا، اس سے معلوم ہوا کہ خ کی علت الف ہی،

اسکی ایک واضح مادی مثال یہ ہو سکتی ہے،

فلان روز مین نے چائے پی تھی، اس روز خنکی تھی، بارش ہو رہی تھی، مین دن بھر گھر کے اندر پڑا رہا تھا، شب مین نیند کم آئی تھی،

۲ ایک ہفتہ ہوا پھر مین نے چائے پی تھی، اس روز خنکی نہ تھی، دن بھر اپنا معمولی کام کرتا رہا تھا، شام کو ہوا خوری کے لیے بھی گیا تھا، شب مین نیند کم آئی تھی

۳ پرسون بھی مین نے چاء پی تھی، اس روز دعوت مین غذائین بھی ثقیل کھائی

تھین، سارا دن احباب کے ساتھ لطف وتفریح مین کٹا تھا، مگر شب مین نیند کم آئی تھی،

۴ آج بھی مین نے چاے پی تھی، آج غذا بہت ہی ہلکی ہوئی، دن مین خوب محنت بھی کرنا پڑی، آج شب کو بھی نیند کم آرہی ہے،

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جب جب نیند کم آئی ہے، تو گو اور مقدمات وحالات مین تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے، تاہم چاے پینے کا جزیہ ہر حالت مین مشترک رہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نیند کم آنے کی علت چا نوشی ہے،

دوسرے طریقہ کا اصطلاحی نام طریق عکس Method of Difference ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک مثال مین ایک واقعہ موجود ہوا اور دوسری مثال مین موجود نہو اور ان دونون مثالون مین کل عوارض مشترک ہون بجز ایک کے جو پہلی مین موجود ہے، اور دوسری مین نہین، تو وہی عارض واقعہ مذکور کی علت ہوگا یا معلول یا رابطہ علت، فرض کرو ہم نے یہ مشاہدہ کیا، کہ

۱	الف ب ت ث	سے	ع غ ف ق پیدا ہوے
۲	الف ج د ھ	سے	ع د ل م پیدا ہوے
۳	ب ت ث	سے	غ ف ق پیدا ہوے
۴	ج د ھ	سے	د ل م پیدا ہوے

اس مثال مین ہمین واقعہ ع کی علت دریافت کرنا ہے ہم نے دیکھا کہ جن مثالون مین ع واقع ہوا ہے ان کے مقدمات مین الف موجود ہے، اور جن مین

وہ نہین واقع ہوا ان مین صرف الف ہی غیر موجود ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ع کی علت الف ہے، کہ اسکا وجود ع کے وجود کو اور اس کا عدم ع کے عدم کو مستلزم ہے۔

ہم روز دوپہر کو سوتے تھے اور مسلسل ایک گھنٹہ تک سوتے رہتے تھے، آج جب سونے کیلیے لیٹے تو دس ہی منٹ کے بعد کمرہ مین زور کا دہماکا ہوا اور معًا ہماری آنکھ کھل گئی آج ہماری صحت ویسی ہے جیسی ہمیشہ رہتی تھی، کمرہ وہی ہے جس مین روز سوتے تھے، غرض تمام حالات وہی ہین کوئی نئی بات نہین پیش آئی، بجز اسکے کہ آج کمرہ مین ایک دہماکا ہوا پس معلوم ہوا کہ معمول عام کے خلاف آج اتنی جلد ہماری آنکھ کھل جانے کا سبب یہی جدید واقعہ ہوا،

منطقیین مغرب کے نزدیک یہ طریقہ استقرا سب سے زیادہ قطعی و یقینی ہے، اور اس سے کام لینے کے بعد علت کی تعیین وتشخیص مین شک واشتباہ کی گنجائش نہین رہجاتی

Method of Concomitant Variation

ایک اور طریقہ استقرا کو طریق اختلاف الوصف (

) کہتے ہین، اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب ایک واقعہ ہوا اور اسکے ساتھ دوسرا واقعہ بھی موجود ہوا لیکن جب پہلے واقعہ مین کچھ تغیر ہوا تو اسی مناسبت سے دوسرے واقعہ مین بھی تغیر ہوا تو ہر دو واقعات باہم علت و معلول ہونگے، یا کسی اور رابطہ علت سے باہم مربوط ہونگے،

جس زمانہ مین ملک مین غلہ ارزان ہو جاتا ہی، جرایم مین کمی ہو جاتی ہے، اور جس زمانہ مین گرانی ہوتی ہے، جرایم کی تعداد بڑھ جاتی ہے، اس مشاہدہ سے نتیجہ یہ

نکلا کہ کثرت جرایم کی علت غلہ کی گرانی ہے، مقیاس الحرارت کو ہم گرم و سرد مختلف مقامات
مین لے گئے اور یہ مشاہدہ کیا کہ جو مقام جتنا زیادہ گرم ہے اسی قدر پارہ بھی چڑھتا ہے،
اس سے نیتجہ نکلا کہ پارہ کے چڑھنے کی علت گرمی ہی،

ان کے علاوہ استقرا کے اور بھی قوانین ہین، مثلاً طریق طرد بالتکرار و طریق طرح لیکن
ہمارے موضوع کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے،

ان قوانین سے ہمین علت کی تفتیش و تحقیق کے طریقہ معلوم ہوئے، اب ان اصول کو
مسئلہ قیام امن پر منطبق کر کے دیکھنا چاہیے کہ حالت امن و صلح کے مقدمات کیا کیا ہوتے
ہین، یہان سے تجربہ و مشاہدہ کے حدود شروع ہوتے ہین، اس سوال کا جواب دینا
تجربہ و مشاہدہ کا کام ہے، کہ ہماری صلح و محبت اور ہمارا اتحاد و خلوص کن کن اشخاص کے
ساتھ اور کن کن حالات مین قایم رہتا ہی،

اپنا سب سے بڑا دوست ہم خود اپنے آپ کو پاتے ہین، انسان ساری دنیا سے
لڑ سکتا ہے، لیکن خود اپنی ذات سے کبھی نہین لڑتا، یہ برابر ہوتا رہتا ہے کہ ایک فرد ایک
جماعت سے لڑ جائے، ایک کمزور انسان ایک پہلوان سے مقابلہ کر بیٹھے لیکن اسکی کوئی
مثال نہین مل سکتی کہ بڑے سے بڑا جنگ جو و امن شکن شخص بھی خود اپنی مخالفت پر آمادہ
ہو گیا ہو، زبان مین بے شبہ اسی قسم کے فقرہ مستعمل ہوتے ہین کہ " فلان شخص اپنا
دشمن ہے " یا " فلان شخص اپنے دم سے بیزار ہے " لیکن ایسے مواقع پر مفہوم ہمیشہ یہ ہوتا ہی
کہ اس شخص کے دو نفس یا دو شخصیتین ہین، ایک نفس اعلی، دوسرے نفس ادنی ایک نفس

ملکوتی، دوسرے نفسِ بہیمی ، اور تناقص و اختلاف ان دونون کے درمیان ہے، یہ کبھی نہین ہوتا کہ ایک ہی نفس خود اپنے سے آمادۂ جنگ ہو جائے،

برائی، مخالفت و نقیض کے جتنے مظاہر ہین سب اسی کلیہ کے تحت مین آجاتے ہین ، حسد ہم دوسرون کی ترقی پر کرتے ہین، خود اپنے اوپر کبھی نہین کرتے بدگوئی ہم دوسرون کی کرتے ہین، خود اپنی کبھی نہین کرتے ، غصہ ہم اورون پر کرتے ہین، اپنے اوپر کبھی نہین کرتے ، وقس علی ہذا ، (جب کبھی ہم اپنے اوپر غصہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین، تو مدعا ہمیشہ وہی ہوتا ہے کہ ہمارا ایک نفس ہمارے دوسرے نفس پر غصہ کر رہا ہے)

۲- اپنی ذات کے بعد لطف و خلوص ہمین اپنی اولاد اور اس سے اتر کر پھر اپنے اعزہ اور اپنے احباب کے ساتھ ہوتا ہے، ساری دنیا کی ترقی پر ہم رشک کرتے ہین، لیکن اپنی اولاد کی ترقی مراتب پر بجائے رشک و حسد کے ہمین مسرت ہوتی ہے، دوسرون کی اولاد کو ہم بد ادب بدتمیز و بدسلیقہ بناتے ہین، لیکن جب بالکل اسی قسم کی حرکات ہماری اولاد سے سرزد ہوتی ہین، تو ہم انھین بچپن کی ذہانت و شوخی پر محمول کرتے ہین، اپنی اولاد کی تکلیف کو ہم اپنی تکلیف سمجھتے ہین اور ان کی راحت گویا عین ہماری راحت ہوتی ہے، مکر و فریب ہم دوسرون کے ساتھ برابر کرتے رہتے ہین لیکن اپنی اولاد، اعزہ و احباب کے ساتھ شاذ و نادر ہی کرتے ہین، اور کرتے بھی ہین تو صرف اسوقت جبکہ ان تعلقات مین بجائے یگانگت کے مغایرت آگئی ہوتی ہے، اور وہ لوگ بجائے "اپنے"

کے "پرائے" ہو چکتے ہین،

اعزہ کے سلسلہ مین یہ بھی مشاہدہ مین آتا رہتا ہے کہ جو عزیز ہمین اپنی ذات سے زیادہ "قریب" معلوم ہوتا ہے، اسی قدر اس سے محبت و یگانگت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ داماد پہلے غیر ہوتا ہے، لیکن "خویش" ہو جاتا ہے تو کسقدر عزیز ہو جاتا ہے! بہو پہلے پرائے خاندان کی لڑکی ہوتی ہے لیکن "اپنی" ہو جانے کے بعد اولاد کے برابر ہو جاتی ہے، برادرزادی چونکہ "اپنے" خاندان کے کہلاتے ہین، عموماً زیادہ عزیز ہوتے ہین بمقابلہ ہمشیرزادون کے جو "دوسرے" خاندان کا نام روشن کرین گے،

زن وشو کی باہمی محبت بھی اسی قانون کی تابع ہے شوہر بیوی پر فریفتہ اور بیوی شوہر کی کیون جان نثار ہوتی ہے؟ اس لئے کہ ایک دوسرے کے پورے محرم اسرار ہین، حجابات مغایرت اٹھ چکے ہین دوئی برطرف ہو چکی ہے، بے تکلفی و یگانگت کے تمام مراتب طے ہو چکے ہین، رشتہ مواصلت کے معنی یہ ہین کہ دو ہستیان مل کر ایک ہو گئی ہے، اور جہان اسقدر یگانگت و یکدلی نہین ملتی، وہان اسی نسبت سے محبت باہمی مین بھی کمی پائی جاتی ہے،

یہی فرق مراتب احباب مین بھی نظر آتا ہے، جو احباب ہمارے بالکل "اپنے" ہین وہی سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتے ہین، اور جو ہماری ذات سے دور ہین انسے تعلقات بھی معمولی و رسمی ہوتے ہین،

۳ انکے بعد اپنی جماعت، اپنی قوم، اپنے وطن اور اپنے مذہب کا مرتبہ ہوتا ہے اپنے مذہب کی توہین کو ہم "اپنی" توہین سمجھتے ہین، ہماری قوم کو اگر کسی نے سخت سست کہا، تو

گویا خود "ہمین" کہا، وکالت کے پیشہ کو اگر کسی نے بُرا کہا تو ایک وکیل اپنی "ذاتی" توہین سمجھے گا
ڈاکٹری کے فن کو اگر کسی نے ذلیل قرار دیا تو ایک ڈاکٹر اسے "اپنی" ذلت سمجھے گا، انگریز کو
ہندوستانی سے جو گریز ہوتا ہے، وہ انگریز سے نہین ہوتا، ہندوستانی کو جو بے اعتمادی
انگریز سے ہوتی ہے، وہ ہندوستانی سے نہین ہوتی، مسلمان مسلمانون کو بھائی سمجھتا ہے
ہندوون اور عیسائیون کو نہین سمجھتا، ہندو ہندوون کو ملیچھ نہین کہتے، مسلمانون اور
عیسائیون کو کہتے ہین، ہر خفیف اشتعال ایک قوم کو غیر قوم سے دست وگریبان
کرا دیتا ہے، ہر معمولی واقعہ ایک ملک کو غیر ملک سے سرگرم آویزش کرا دیتا ہے
حالانکہ اگر خود اسی ملک و قوم کے اندر یہ واقعات پیش آتے ہین تو کوئی التفات بھی نہین کرتا اور یہ سب کچھ
اس قانون فطرت کی ماتحتی مین ہوتا ہے کہ کوئی شخص خود اپنے سے نہین لڑتا۔

جو افراد بڑے بڑے محبان وطن وملت ہوتے ہین اور جو مذہب و وطن کے نام پر اپنی جان دینے
کو حاضر رہتے ہین وہ وہی ہوتے ہین جنہون نے اپنی ذات کو مذہب و قوم کے وجود مین جذب کر دیا ہے
اور جو لوگ ایسا نہین کرتے وہ وہی ہوتے ہین جو اپنی قوم و مذہب سے الگ اور بیگانہ ہوتے ہین یہ سب
واقعات اس قانون کے شواہد مزید ہین کہ جو شے ہمین سب سے زیادہ محبوب ہے
وہ ہماری ذات یا جزو ذات ہے۔

یہ مسئلہ کا ایجابی و اثباتی پہلو تھا، یہان تک سب مثالین وجود محبت وامن کی تھین
اب اسکے منفی و سلبی پہلو پر نظر کرنا چاہیے اور ان مثالون کو لینا چاہیے جنمین محبت و امن کا فقدان ہوتا ہے
عدم محبت کے دو مفہوم ہین، پہلی صورت یہ ہے کہ جس شخص یا شے سے عدم محبت ہے

ساتھ ہی اس سے کسی طرح کی عداوت و نفرت بھی نہیں، اس منزل کے لیے "بے تعلقی" کا لفظ مستعمل ہے۔ جسکے صاف معنی یہ ہین کہ اس سے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح کا تعلق ہماری ذات کو نہین عدم محبت کی جتنی مثالین اس شق کی تحت ملینگی، وہ سب ایسی ہی ہین جن مین نفس کو ان اشیا یا اشخاص سے "بے تعلقی" ہوگی،

عدم محبت کی دوسری صورت وہ ہے جسمین محبت کا فقدان ہی نہین، بلکہ عداوت، نفرت یا مخالفت کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے، ان مثالون مین جس شے سے ہمین عدم محبت ہوتی ہے اور جسے ہم مٹا دینا چاہتے ہین، وہ وہی ہوتی ہے جس کے وجود کو ہم اپنے وجود یا موجودات و محبوبات کے منافی سمجھتے ہین، ہم جس کے دشمن ہوتے ہین تو اسکی زندگی، یا عزت، یا ناموس، یا دولت، یا اور کسی شے کو جو "اسکی" ہوتی ہے، مٹا دینا چاہتے ہین، اسلیے کہ ہمارے نزدیک وہ بھی ہماری زندگی یا عزت، یا ناموس، یا دولت، یا اور کسی شے کو جو "ہماری" ہے مٹا دینا چاہتا ہے، اگر دونون ہستیون کا یہ تناقض معمولی اور ہلکی باتون تک محدود ہے، تو ہمارے اسکے شکر رنجی رہتی ہے، لیکن اگر یہ تناقض ہماری اسکی صفات سے گزر کر "ذات" کی گہرائیون تک پہنچ گیا ہے، تو باہم شدید عداوت پیدا ہو جاتی ہے،

یہ وہ واقعات و حقائق ہین، جنکی تائید پر تاریخ، تجربہ، مشاہدہ سب متفق ہین، اور انکے وقوع کی شہادت افراد و اقوام دونون مین یکسان ملتی ہے، باہمی تعلقات خواہ افراد کے ہون خواہ اقوام کے ہمیشہ انھین قوانین کی ماتحتی مین قایم ہوتے رہے ہین اور آج بھی دنیا کے گوشہ گوشہ

یہیں بعض شرایط وخصوصیات کے ساتھ امن ونقض امن دونوں کے تعلق کے قوانین کی کارفرمائی نظر آ رہی ہے۔

اب نتیجہ واضح ہے،

قضایاے بالا کو اگر استقرائی حیثیت سے مرتب کرکے رکھنا چاہین، تو صاف یہ شکل پیدا ہوتی ہے

۱ خودی کا تعلق جب تک اپنی ذات سے رہا اپنی ذات سے محبت رہی،

۲ خودی کا تعلق جب اولاد سے ہوگیا، اولاد سے محبت پیدا ہوگئی،

۳ خودی کا تعلق جب اپنے اعزہ سے ہوگیا، تو ان سے محبت پیدا ہوگئی،

۴ خودی کا تعلق جب اپنے احباب سے ہوگیا تو اُن سے محبت پیدا ہوگئی،

۵ خودی کا تعلق اپنی قوم، مذہب، وطن، جماعت جس کسی سے ہوا اس سے محبت پیدا ہوگئی،

اور صریحی نتیجہ (حسب طریق طرد) یہ نکلتا ہے کہ تعلق خودی یا اطلاق خودی نسبت واتحاد، امن وخلوص کی علت ہی،

یہ طریقہ انتاج صحیح کے لیے اگرچہ بجاے خود کافی ہے، تاہم اس مسئلہ پر ہم قانون عکس کو بھی منطبق کرکے دیکھتے ہین، کہ آیا اس سے بھی کوئی نتیجہ نکلتا ہے، اس صورت مین ترتیب مقدمات حسب ذیل ہوگی،

۱ صلح ومحبت کی جتنی مثالین ملین، سب مین ہم نے اطلاق خودی کو مشترک پایا،

۲ عدم صلح وفقدان محبت کی جتنی مثالین ملین، ان مین سے کسی مین اطلاق خودی کو

موجود نہ پایا۔

اور اس سے بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے جو اوپر بیان ہوچکا یعنی محبت ناشی صرف انہین موجودات سے پیدا ہوتی ہے جو دایرہ خودی کے اندر آتی ہین یا دوسرے لفظون مین اطلاق خودی، اتحاد وخلوص کی علت ہے، طریق عکس جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے منطقیین مغرب کے نزدیک سب سے زیادہ مستحکم وقطعی ہے اور جو نتایج اس طریقہ کے مطابق نکلتے ہین، وہ بالکل یقینی وغیر مشتبہ ہوتے ہین،

لیکن اتنا ہی نہین بلکہ طریق اختلاف اور [illegible] صفت کی مطابقت مین ہم کیفی حیثیت کے علاوہ کمی حیثیت سے بھی نتیجہ بالا کی توثیق کرسکتے ہین، اس طریقہ کے مطابق ہمارا استدلال یہ ہوگا

۱ ایک مشاہدہ مین یہ آیا ہے کہ جتنا زیادہ کسی شے سے یگانگت بڑھتی جاتی ہے اور وہ شے ہماری خودی کے دایرہ مین آتی جاتی ہے، اسی مقدار کی مناسبت سے اس سے اتحاد وخلوص بڑھتا جاتا ہے۔

۲ نیز یہ کہ جسقدر کوئی شے ہماری خودی سے دور اور اسکے معارض پڑتی جاتی ہے اسی مقدار کے تناسب اس سے اتحاد وخلوص کم ہوتا جاتا ہے

اور یہ استدلال بھی صاف، اسی نتیجہ تک پہنچاتا ہے، کہ خلوص واتحاد کی علت وہی تعلق خودی ووابستگی نفس ہے،

معاشرتی مسایل مین ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ کسی نتیجہ کی صحت پر تینون طرق استقرا متحد ہون، لیکن خوش قسمتی سے اس مسئلہ کو یہ بات حاصل ہوگئی ہے

جس نے اسکی قوت کو سہ چند کر دیا ہے،

منطقی کنبلک سے نکل کر اگر عام و سادہ زبان مین نتیجہ بحث کو بیان کرنا چاہین تو یون کہینگے، کہ دنیا مین سارے اختلافات، سارے تناقضات اور ساری کشمکش کی بنیاد دوئی یا کثرت کے عقیدہ پر ہے، انسان اپنے سے نہین ہمیشہ "دوسرون" سے لڑتا ہے جہان "من" و "تو" کا خیال آیا معاً کشمکش شروع ہو گئی، انسان اپنی اولاد کو چونکہ اپنا ہی جزو سمجھتا ہے اس لیے اس سے نہین لڑتا، اور جونہی اپنا جزو سمجھنا چھوڑ دیتا ہے، باپ بیٹے مین رشتہ محبت فوراً قطع ہو جاتا ہے، اور باہمی مخالفت بلکہ شدید عداوت سے محفوظ رکھنے والی کوئی شئے نہین ہوتی، یہ جو اس طرح کے واقعات تاریخ کے صفحات مین اور گرد و پیش کی زندگی مین بھی نظر آتے رہتے ہین، کہ فلان باپ نے بیٹے پر مقدمہ دائر کر دیا، فلان بیٹے نے باپ پر ہاتھ چلا دیا، فلان باپ نے لڑکے کو عاق و محروم کر دیا، فلان بیٹے نے باپ کے مقابلہ مین تلوار اٹھالی، یہ سب مثالین انھین مواقع کی ہین، کہ "یگانگت" و "وحدت" کا رشتہ ٹوٹ کر آپس مین مغائرت قایم ہو گئی ہے۔

انسان کو اگر کسی سے عشق ہو جاتا ہے تو وہ اسکی خاطر ہر قسم کی سختیان برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، معشوق اسے طرح طرح پرستاتا ہے، چھیڑتا ہے، ذلیل کرتا ہے خطرات مین ڈالتا ہے، لیکن عاشق کی جبین تحمل پر شکن تک نہین پڑتی، ان تمام شدائد کا وہ بمسرت استقبال کرتا ہے، یہ کیون؟ صرف اسلیے کہ وہ اپنی ہستی کو معشوق کی ہستی سے

الگ نہین، بلکہ تمامتر اسی کے ماتحت سمجھنے لگتا ہے، اور جب غیریت نہین باقی رہی، تو ردّ و انکار کے جذبات جو اسس پر مبنی ہین، کیونکر پیدا ہو سکتے ہین،

پس اگر دنیا مین امن و امان کو پھیلانا، اور صلح و آشتی کی حکومت کو عالمگیر کرنا منظور ہے، تو اسکی تدبیر صرف یہی ہے، کہ اپنی ذات، اپنی خودی، اپنی انانیت کو اس قدر وسعت دیجائے، اتنا پھیلایا جائے کہ ساری عالم و مافی العالم کو مرادف کردیا جائے، قطرہ کی نجات اسیمین ہے کہ وہ اپنے تئین سمندر مین گم کردے، ع عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا، خود غرضی، منافست، خودبینی کا عفریت صرف محبت مطلق، اخوت عامہ کے مقدس فرشتہ ہی کی مدد سے مغلوب ہو سکتا ہے،

یورپ کی ابتک سب سے بڑی غلطی یہی رہی ہے، کہ اس نے بجائے اس اندرونی انقلاب کے بجائے باطن انسان مین اس تغیر و اصلاح کے ہمیشہ صرف ظاہری و خارجی تغیرات کو کافی سمجھا، ہیگ مین مجلس صلح کی عدالت مجلس اقوام کا قیام، وغیرہ سب سطحی و نمایشی تدابیر ہین، جب تک انسان کی روح (اسپرٹ) نہ بدلی جائے گی، جبتک انسان کے باطن مین نہ اصلاح ہو گی، جب تک قلب انسانی کی گہرائیون سے ضد و عناد، مخالفت و منافست کی جڑین نہ کاٹی جائین گی، اوپر کی شاخون کی کانٹ چھانٹ قیامت تک حصول مقصد مین ناکام رکھیگی،

اس مین شبہ نہین کہ بعض حکما، مغرب کا ذہن بھی اس جانب منتقل ہوا ہے اور انھون نے انسانی آبادی کو ایک رشتہ اتحاد مین منسلک کرنا چاہا ہے، چنانچہ نامور فرنچ فلسفی آگسٹ کومٹ نے انیسوین صدی کے وسط مین ایک "مذہب انسانیت" کی بنیاد

ڈالی اور اپنے نظام فلسفہ (پازیٹیو فلاسفی) مین خدا کی پرستش کے بجائے "انسانیت" کی پرستش لازمی قرار دی، علیٰ ہذا سوشلسٹ گروہ (اشتراکیہ) کا بھی نصب العین مساوات عامہ واشتراک انسانیت ہی،

لیکن اگر کومٹ کے کسی تبع سے یہ سوال کیا جائے کہ کوئی شخص کیون انسانیت کی پرستش کرے؟ اسکے نزدیک کی مسرت وراحت تو اپنے ذاتی اغراض کے پورے کرنے مین حاصل ہوتی ہے. انھین چھوڑ کر وہ آخر کیون ایک وہمی وخیالی ہستی "انسانیت" کی پرستش کرے اور انسانیت کا اپنی اوپر کوئی حق کیون تسلیم کرے؟ یا اگر کسی سوشلسٹ سے یہ دریافت کیا جائے کہ امرا واہل ثروت کیون اپنی اپنی جایدادون سے دستبردار ہون؟ اور کیون اپنے زر ومال مین غربا، واہل حاجت کو برابر کا شریک کرین؟ تو ان سوالات کا کوئی تشفی بخش جواب نہ ملیگا،

صلح وامن کی عمارت کو پایدار ومستحکم بنانے اور طوفان جذبات خبیثہ کے حملون سے محفوظ رکھنے کے لیے درحقیقت اس سے بہت زیادہ گہری بنیاد کی ضرورت ہے، وہ بنیاد وہی ہے جسے تصریحات بالا کے بعد ہم وحدت کے موسوم کرسکتے ہین جسے صوفیہ کی اصطلاح مین وحدت وجود کی تعبیر کیا جاتا ہی ہم کو خود غرضانہ افعال کے ارتکاب سے ہمیشہ باز رکھنے والا یہ خوف ہرگز نہین ہوسکتا کہ دوسرے بھی اسکا عوض ہم سے لین گے، علیٰ ہذا مساوات عامہ کی کوشش اس بنا پر بدرجۂ غایت کمزور رہیگی کہ ایک مزدور کو بھی اسی قدر حقوق مین جتنے ایک تاجدار کے ہوتے ہین، ایثار وبے نفسی کی مستقل وپایدار بنیاد کا کام صرف یہ عقیدہ دے سکتا ہی، کہ زید وبکر، شاہ وگدا، نیک وبد، مومن وکافر

اور رنگ ہین اور تو سب اپنی اصل و سرشت کے لحاظ سے ایک ہین. ایک ہی نور حقیقت کی ایک ہی آفتاب کی شعاعین، ایک ہی سمندر کی لہرین، ایک ہی دریا کے حباب ایک ہی جسم کے اعضا ہین اور ان مین باہم جو فرق واختلاف نظر آتا ہے، وہ محض اسلیے کہ "حقیقت یکتا" مختلف اضافتوں اور مختلف نسبتون کے ساتھ اپنے مظاہر وشئون پیدا کرتی رہتی ہے۔

ہمسایہ وہمنشین وہمرہ ہمہ اوست   در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست (جامی)

ہم اپنے ہاتھ کو آرام سے رکھتے ہین مگر کبھی اس پر احسان نہین رکھتے، ہم اپنے پیر کو چوٹ سے بچاتے ہین اور کبھی اس سے شکریہ کے طالب نہین ہوتے، ہم اپنے سر کو محفوظ رکھتے ہین اور اسکو فرض سے بھی بڑھکر اپنا فرض سمجھتے ہین، یہ کیون؟ محض اسلیے کہ ہم ان اعضا کو اپنے سے الگ وبیگانہ نہین، بلکہ "اپنے" مین داخل سمجھتے ہین اور ان مین سے کسی ایک عضو کی بے کلی کو "اپنی" اذیت وبے کلی محسوس کرتے ہین پس اگر ہمارا یہی تخیل تمام عالم کے متعلق قائم ہوجائے اور کل موجودات کو ہم "اپنے" مین داخل سمجھنے لگین تو یہ بالکل یقینی ہے کہ نیکی اور نیک چلنی، حسن سلوک ومواخات ایثار وخدمت خلق کے اعمال ہم سے اضطرارًا سرزد ہونے لگین،

دنیا کا عام نظام اخلاق نیکی کی تعلیم اسلیے دیتا ہے. کہ اس سے عمدہ معاوضہ کی توقع رہتی ہے، ہم اگر آج کسی کی ضرورت پر قرض دین گے، تو ممکن ہے کل ہم کو بھی قرض لینے کی ضرورت پڑجائے، اور وہ اسی شخص سے پوری ہو، ہم اگر دوسرون کی بہو بیٹیون کی عزت ملحوظ رکھین گے تو دوسرے بھی ہماری بہو بیٹیون کا پاس ناموس

کرین گے لیکن عقیدۂ وحدت عالم کی تعلیم اس توقع معاوضہ واصولِ داد و ستد سے بالاتر ہے، اس مرتبہ پر نیکی محض اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے خود اپنے نفس کی تکمیل ہوگی، اس سے خود اپنی ذات عروج و ترقی کی کچھ اور منازل طے کریگی، اور تعینات و تشخصات کے کچھ حدود و قیود ٹوٹ کر اطلاق و کمال کی منزل قریب ہوتی جائے گی،

اس صورت مین امن و صلح کا تعلق بھی مثل دوسری نیکیون کے "حقوق" کے ساتھ نہین رہ جاتا، بلکہ یہ چیزین انسان کے لیے بہ منزلہ "فرض" اصلی کے ہو جاتی ہین، اور فرض بھی اس درجہ کا جسکے سامنے کھانے پینے، سونے پہننے، چلنے پھرنے، حوائج فطری کی قوت ماند پڑ جاتی ہے،

اخلاقی حیثیت سے پست ترین انسان وہ سمجھا جاتا ہے جو محض اپنی شکم پروری کو مقصود زندگی سمجھتا ہے، یہ وہ شخص ہوتا ہے جو صرف اپنے جسم اور اپنی جان کو "اپنے" مین داخل سمجھتا ہے، اس سے بہتر وہ شخص ہوتا ہے، جو اپنے خاندان کی کفالت کرتا ہے، اور اس سے بہتر وہ جو اپنے قصبہ یا شہر یا اپنے فرقہ کی خدمت اپنا فرض سمجھتا ہے، یہانتک کہ متعارف نظام اخلاق کی رو سے بہترین شخص وہ ہے، جو اپنی قوم، مذہب و وطن کو جان کے برابر عزیز رکھتا ہے، لیکن اس مسلک توحید کے لحاظ سے دائرہ نظر اس سے بھی وسیع تر ہو جاتا ہے، اور ہر ملک ہر قوم اور ہر فرقہ کے ساتھ یکسان محبت و یگانگت کا برتاؤ لازمی ہو جاتا ہے،

سعدی نے اسی مرتبہ پر پہنچکر کہا ہے، کہ "کل انسان" نہ صرف ایک مذہب کے پیرو

متحد الاصل اور ایک ہی جسم کے مختلف اعضا ہین کہ کسی ایک عضو کی تکلیف گویا ہر دوسرے عضو کی ہی تکلیف ہی،

بنی آدم اعضاے یکدیگر اند
کہ در آفرنیش زیک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

تمام موجودات کی اصل ایک ہے، فروع خواہ جتنے ہون۔ ذات ایک ہی صفات خواہ کتنے ہون، نور ایک ہی پر تو خواہ جتنے ہون،

جملہ یک ذات است اما متصف
جملہ یک حرف ست آما مختلف

مولانائے روم اسی حقیقت یکتا کی تعبیر و توضیح اپنے یکتا طرز و انداز مین یون کرتے ہین ؎

گر ہزاران اند یک کس بیش نیست
جز خیالات عدد اندیش نیست

بحر وحدانی ست جفت و زوج نیست
گوہر و ماہیش غیر موج نیست

نیست اندر بحر شرک پیچ پیچ
لیک با احول چہ گویم ہیچ ہیچ

اصل بیند دیدہ چون اکمل بود
دو ہمی بیند چو مرد احول بود

باب ۱۵

مسیحیت اور امن

یہان تک جو کچھ گفتگو تھی، وہ عقلی حیثیت سے تھی، لیکن دنیا کی بہت بڑی آبادی، مذہبی افراد پر شامل ہے، جنکے لیے علم وعقل، فلسفہ ومنطق کا کوئی فتوی حجت نہین ہو سکتا، ان کے لیے اگر واجب العمل احکام ہین، تو صرف مذہب کے، انکی تسکین اگر ہو سکتی ہے تو محض ارشادات مذہب سے، ضرورت ہے کہ ان سے تخاطب کے وقت انکے عقاید و باطنی احساسات کا بھی لحاظ رکھا جاے، لیکن کیا کسی مذہب کی تعلیم امن وامان، صلح وآشتی کے کچھ بھی منافی ہے؟

مذاہب کی تعداد اگرچہ بہت زاید ہے لیکن اسوقت صرف چار مذاہب ہین، جن کے ماتحت دنیاے متمدن کی بیشتر آبادی منقسم ہے، مسیحیت[1]، اسلام[2]، بدھ مت[3]، اور ہندو[4] مذہب، ان مین سے بدھ مذہب کی جو تعلیم اس باب مین ہے اس کا حال بچہ بچہ کو معلوم ہے، ہر شخص جو اس مذہب سے سرسری واقفیت بھی رکھتا ہے، جانتا ہے کہ یہ مذہب دنیا سے خونریزی کو مٹانے کے لیے آیا تھا اور اُسکا اصلی مقصد نفس کشی کی تلقین کرنا تھا، گوتم بدھ کے ارشادات پر اگر انسان پوری طرح عمل کرے تو ساری عمر جہاد نفس کی نذر ہو جائے گی، اور ایک لمحہ کی بھی اسکی فرصت نہ ہو سکے گی، کہ دوسرون سے مقابلہ ومقاتلہ کی نوبت آئے، یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے، جسکے لیے کسی تفصیلی ثبوت کی ضرورت نہین،

ہندوون کی کتب مقدسہ کے بعض حصون مین بے شک جنگ وجدل کی تعلیم ملتی ہے،

بلکہ فن حرب وقتال کے اصول وضوابط بھی بتائے گئے ہین، لیکن عام روح جوان کے صحف مقدسہ مین سرایت کئے ہوئے ہے، وہ صلح وآشتی، امن ومصالحت ہی کی ہے، اس سے قطع نظر کرکے اسوقت ہندوؤن کے ہاتھ مین کوئی سلطنت نہین، اور چونکہ بڑی پیمانہ پر جدال وقتال کی اصلی ٹکسالین حکومتین ہی ہوتی ہین اسلیئے پیام امن پر گویا وہ اضطراراً عمل کررہے ہین، ایک محتاج دبینوا کے سامنے اسراف کی خرابیون پر وعظ کہنا تحصیل حاصل ہے

ان دونون مذاہب کے نکال دینے کے بعد صرف مسیحیت واسلام باقی رہ جاتے ہین اور کچھ عرصہ سے یہی دو قومین ایک دوسرے کی حریف بھی نظر آرہی ہین۔ اسیلئے انکی تعلیمات پر زرا تفصیل سے نظر کرنے کی ضرورت ہی، ان مین ترتیباً مسیحیت کو تقدم حاصل ہے، نہ صرف زمانہ تاریخی کے لحاظ سے بلکہ اس حیثیت سے بھی کہ اسوقت دنیا کی بیشتر حکومتون پہ چشم ظاہر کو اسی مذہب کا پرچم لہراتا نظر آتا ہی،

عیسائی قومین اور حکومتین صدہا سال سے جس جوش وخروش، ہمت واستقلال کے ساتھ کبھی باہم اور کبھی اغیار سے محاربہ ومقاتلہ مین مصروف ہین، جس خلوص سے ان کے خالص مذہبی حلقون مین انکی ان سرفروشیون کی داد دی جاتی ہی، اور جس شان واہتمام سے کے ساتھ کلیساؤن مین، انکی فتحیابی کی دعائین مانگی جاتی ہین، ان سب واقعات سے قیاس ہوتا ہے کہ جدال وقتال مذہب عیسوی مین نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوگا، لیکن آئیے دیکھئین، انکی "کتاب مقدس" کے اس باب مین کیا احکام وارشادات ہین،

حضرت مسیح کی ساری تعلیم کا لب لباب ان کے اس وعظ مین موجود ہے جو انھون نے کوہ زیتون پر جا کر ارشاد فرمایا تھا، اس مین وہ تصریح وتاکید کے ساتھ نہ صرف خون ریزی کو قطعاً حرام قرار دیتے ہین، بلکہ درشت گوئی وسخت کلامی کو بھی بالکل ناجائز بیان فرماتے ہین، ارشاد ہوتا ہے،

"تم سن چکے ہو کہ اگلون سے کہا گیا تھا کہ خون نہ کر، اور جو کوئی خون کریگا، وہ عدالت کی سزا کے لایق ہو گا، لیکن مین تم سے یہ کہتا ہون کہ جو کوئی اپنے بھائی[1] پر غصہ ہو گا، وہ عدالت کی سزا کے لایق ہو گا، اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا، وہ صدر عدالت کی سزا کے لایق ہو گا، اور جو اسکو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہو گا، پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزرانتا ہو اور وہان تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ شکایت ہے تو وہین قربانگاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آ کر اپنی نذر گزران، جب تک تو اپنے مدعی کے ساتھ راہ مین ہے، اس سے جلد صلح کرلے" (متی-۵)

گویا بارگاہ خداوندی مین نذر ونیاز پیش کرنے سے یہ کہین بہتر وافضل ہے، کہ اپنے ابناء جنس کے دلون مین اپنی طرف سے خفیف گنجایش رنجش بھی نہ چھوڑی جائے،

پھر صرف یہی نہین کہ دوسرون سے دشمنی نہ رکھنا چاہیے، یہی نہین کہ دشمنون سے اپنی خطا معاف کرا کے صفائی کر لینی چاہیے، یہی نہین کہ دل کو رنجش وکینہ سے

[1] بھائی سے مراد ابناے نوع انسان یعنی اخوان جنس سے ہے،

صاف رکھنا چاہیے، بلکہ ارشاد یہ ہے کہ دشمنون سے دلی الفت ومحبت رکھنا چاہیے اوران کے حق مین دعاے خیر کرتے رہنا چاہیے، ارشاد ہے،

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت، لیکن مین تم سے یہ کہتا ہون کہ اپنے دشمنون سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والون کے لیے دعا مانگو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھیرو، کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدون اور نیکون دونون پر چمکاتا ہے، اور راست بازون اور ناراستون دونون پر مینھ برساتا ہے، کیونکہ اگر تم اپنے محبت رکھنے والون ہی سے محبت رکھو تو تمھارے لیے کیا اجر ہے؟ کیا محصول لینے والے بھی ایسا نہین کرتے؟ اور اگر تم فقط اپنے بھائیون ہی کو سلام کرو تو کیا زیادہ کرتے ہو، کیا غیر قومون کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے، پس چاہیئے کہ تم کامل ہو، جیسا تمھارا آسمانی باپ کامل ہے" (متی ۵)

لیکن اگر ہم پر کوئی شخص عملاً ظلم و زیادتی کرنے لگے، کیا اسوقت ہم مدافعت کا بھی خیال نہ کرین؟ انجیل کا جواب ہے، کہ قطعاً نہین بلکہ ایسے موقع پر ہمین انتہائی لینت دعالی ظرفی سے کام لیکر اپنی مظلومیت کو اور زیادہ بڑھا دینا چاہیے،

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن مین تم سے یہ کہتا ہون کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی تجھ پر نالش

کرکے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار مین لے جائے تو اسکے ساتھ دو کوس چلا جا،، (متی ۵)

کیا اس انکسار و فروتنی، اس علم و تہذیب، اس ایثار و بے نفسی سے بڑھکر دنیا مین کوئی اور تعلیم مل سکتی ہے؟ کیا جو لوگ انجیل کو کلام الٰہی مانتے ہین، یا اپنے تئین حضرت مسیح کی اُمت مین ظاہر کرتے ہین، ان کے طرز عمل مین اس لحاظ سے مرتبہ ملکوتیت سے کوئی بات بھی کم ہونی چاہیئے؟ اس تعلیم کے بعد اگر بت پرست اقوام حضرت مسیح کو صلح کا دیوتا تسلیم کرین تو اس پر کچھ بھی تعجب ہو سکتا ہے؟

دنیا مین اکثر مناقشات زر و زمین ہی کے لیے ہوتے ہین، معمولی رنجشون سے لے کر بڑی بڑی سلطنتون کے محاربات عظیم تک کی تہ مین اکثر یہی طمع، یا حب زر کا جذبہ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اسلیے اگر انسان سے یہ جذبہ ہٹ جائے، تو اکثر مناقشات و خون ریزیان از خود دفنا ہو جائین گی، اس بنا پر دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح نے مال و دولت کا کیا درجہ قرار دیا ہے، فرماتے ہین،

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو، جہان کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہان چور نقب لگاتے اور چراتے ہین، بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو، جہان نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ، اور نہ وہان چور نقب لگاتے اور چراتے ہین.... کوئی آدمی دو مالکون کی خدمت نہین کر سکتا، کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا، اور دوسرے سے محبت، یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا، تم خدا اور دولت دونون

کی خدمت نہین کر سکتے" (متی ۶)

جو لوگ سامان معیشت کی تلاش و فراہمی مین مصروف رہتے ہین، ان سے خطاب ہوتا ہے،

"ہوا کے پرندون کو دیکھو کہ نہ بوتے ہین نہ کاٹتے، نہ کوٹھون مین جمع کرتے ہین تو بھی تمھارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے، کیا تم ان سے زیادہ قدر نہین رکھتے، ..

.... اور پوشاک کے لیے کیون فکر کرتے ہو، جنگلی سوسن کے درختون کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہین، وہ نہ محنت کرتے ہین نہ کاتتے ہین تو بھی مین تم سے کہتا ہون کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان مین سے کسی کے مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا، پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور مین جھونکی جائیگی، ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو، تم کو کیون نہ پہنائیگا، اسلیے فکرمند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائین گے یا کیا پہنین گے، کیونکہ ان سب چیزون کی تلاش مین غیر قومین رہتی ہین، اور تمھارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزون کے محتاج ہو" (متی ۶)

اگر اس تعلیم کے کسی جزو پر بھی عمل ہوتا، تو یورپ کی گذشتہ جنگ کا وقوع ممکن تھا؟

نفسانیت و حسد کا ایک بہت بڑا مظہر یہ ہے کہ انسان کی نظر دوسرون کے عیوب پر رہتی ہے اور اپنی صحبت مین دوسرون پر نکتہ چینی کرتا رہتا ہے، حضرت مسیح نے فتنہ و فساد کے اس شجر ملعونہ کی پوری طرح بیخ کنی کردی ہے،

"عیب جوئی نہ کرو کہ تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے کیونکہ جس طرح تم عیب

جوئی کرتے ہو، اسی طرح تمھاری بھی عیب جوئی کی جائے گی، اور جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے واسطے بھی ناپا جائے گا، تو کیون اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہین کرتا؟ اور جب تیری ہی آنکھ مین شہتیر ہے، تو تو اپنے بھائی سے کیونکر کہہ سکتا ہے کہ لا تیری آنکھ مین سے تنکا نکال دون؟ اے ریاکار پہلے اپنی آنکھ مین سے تو شہتیر نکال پھر اپنے بھائی کی آنکھ مین سے تنکے کو اچھی طرح دیکھ کر نکال سکے گا"۔ (متی ۷)

عفو و درگزر کے متعلق تصریح کے ساتھ یہ وعدہ موجود ہے، کہ

"اگر تم آدمیون کے قصور معاف کروگے تو تمھارا آسمانی باپ بھی تمھارے قصور معاف کریگا، اور اگر تم آدمیون کے قصور نہ معاف کروگے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کریگا" (متی ۶)

یہ عفو و درگزر کی خصلت اگر عام ہو جائے، تو دنیا سے فی الفور فساد و بدامنی کا خاتمہ ہو جائے۔

اسی وعظ کے آغاز مین حضرت مسیح نے اپنے سچے پیرودن کی خود ہی کچھ علامات بتائی ہین، یہ سعادت کن لوگون کے نصیب مین آسکتی ہے، صرف منکسر، غمگین، حلیم، راست باز، رحم دل، پاکباز، و صلح جو افراد کے نصیب مین،

"مبارک ہین وہ جو دل کے غریب ہین، کہ آسمان کی بادشاہت انھین کی ہے"

"مبارک ہین وہ جو غمگین ہین، کیونکہ وہ تسلی پائین گے"

"مبارک ہین وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہین کیونکہ وہ آسودہ ہونگے"

"مبارک ہین وہ جو رحم دل ہین، کیونکہ ان پر رحم کیا جائیگا"

"مبارک ہین وہ جو پاک دل ہین کیونکہ وہ خدا کو دیکھین گے"

"مبارک ہین وہ جو صلح کراتے ہین کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائین گے" (متی۔۵)

یہ معیار خود حضرت مسیح کا قایم کیا ہوا ہے، اسکے مطابق جانچ کر فیصلہ کرنا چاہیے، کہ مسیحی یورپ کے کتنے فرد حقیقۃً مسیحی کہلائے جانے کے مستحق ہین،

اقتباسات بالا مسیح کے وعظ کوہ کے تھے، لیکن اسکے علاوہ بھی ساری انجیل اسی قسم کی تعلیمات سے لبریز ہے، عجز و انکسار، حلم و فروتنی، عفو و درگزر، الفت و محبت، ایثار و بے نفسی کے جلوے قدم قدم پر نظر آتے ہین اور ظلم و زیادتی و پیشدستی تو کجا، مدافعانہ خونریزی کا بھی جواز نہین ملتا،

ایک مرتبہ کسی شاگرد نے دریافت کیا کہ آسمان کی بادشاہت مین بڑا کون ہے؟ اسکے جواب مین حضرت نے ایک بچہ کو بلا کر ان کے بیچ مین کھڑا کر دیا، اور کہا کہ "... جو کوئی اپنے آپ کو اس بچہ کی مانند چھوٹا بنائے گا، وہی آسمان کی بادشاہت مین بڑا ہوگا"[1]

ایک مرتبہ ایک اور شاگرد نے آکر دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص میرا گناہ کرتا رہے تو اسے کتنی مرتبہ معاف کرنا چاہیے؟ سات مرتبہ تک؟ اسکے جواب مین "اس خدائی علم کا ارشاد" ہوا کہ

"سات دفعہ نہین، بلکہ سات دفعہ کے ستر گنے تک"[2]!

کاش موجودہ یورپ کو اس ارشاد کے عشر عشیر پر بھی عمل کی توفیق ہوتی!

[1] متی۔ باب ۱۰۔ لوقا باب ۹۔ [2] متی باب ۱۸،

حضرت مسیح کو زر و مال، دولت و ثروت سے جو نفرت تھی، اس کا اندازہ ان کی
اس ارشاد سے ہو سکتا ہے، کہ

"دولتمند کا آسمان کی بادشاہت مین داخل ہونا مشکل ہے، اور پھر تم سے کہتا ہون
کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے مین سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت
مین داخل ہو[1]"

معلوم نہین کہ انجیل کے جو نسخے یورپ کے شاہان تجارت کے کتبخانون مین
موجود ہین ان مین ارشاد بالا درج ہے یا نہین،

اس سے بھی بڑھکر یہ واقعہ ہے، کہ ایک مرتبہ کسی دولتمند شخص نے آکر دریافت
کیا کہ حیات ابدی کے حصول کا کیا ذریعہ ہے، آپ نے جواب دیا، کہ "احکام خداوندی
پر عمل کر، اور وہ احکام یہ ہین، کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے
اپنے باپ اور مان کی عزت کر، اور اپنے پڑوسی سے اپنے ہی مانند محبت رکھ" سایل نے
عرض کیا کہ "ان احکام پر تو آغاز عمر سے عمل کر رہا ہون"۔ ارشاد ہوا کہ "مگر ابھی ایک بات کی
تجھ مین کمی ہے، جا، اور جو کچھ تیرا ہے بیچ کے غریبون کو دے آ، تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا"
مگر اس بدنصیب پر حب زر غالب تھا، محروم واپس چلا گیا[2]

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ "افسوس ہے تم پر جو دولتمند ہو، کیونکہ تم لے چکے اپنا
اجر پا چکے[3]" (یعنے آخرت مین تمھارے لیے کچھ نہین ہے۔)

[1] متی باب ۱۹، لوقا باب ۱۸، مرقس باب ۱۰، [2] مرقس باب ۱۰، متی باب ۱۹، [3] لوقا باب ۶،

ان تصریحات کے بعد موجودہ مسیحی اقوام اپنے ہی عقاید کی رو سے اپنے حشر کی بابت کس قسم کی توقعات رکھ سکتی ہین،

متی کی روایت کے مطابق حضرت نے پہاڑ پر جا کر جو وعظ فرمایا تھا، اسکے اقتباسات اوپر گذر چکے ہین، لوقا نے بھی اس وعظ کے خلاصہ کو اپنی زبان مین قلمبند کیا ہے اسکے مطالعہ سے حقیقی مسیحی تعلیم کا سمان ایک بار پھر نظر کے سامنے پھر جائیگا،

"مین تم سننے والون سے کہتا ہون کہ اپنے دشمنون سے محبت رکھو، جو تم سے عداوت رکھین ان کا بھلا کرو، جو تم پر لعنت کرین، انکے لیے برکت چاہو، جو تمھاری بے عزتی کرین انکے لیے دعا مانگو، جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے، اور جو تیرا چوغہ لے اسکو کرتہ لینے سے بھی منع نہ کر، جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے، اور جو تیرا مال لے لے اس سے طلب نہ کر..... اگر تم اپنے محبت رکھنے والون ہی سے محبت رکھو تو تمھارا کیا احسان ہے، کیونکہ گنہگار بھی اپنے محبت رکھنے والون سے محبت رکھتے ہین، اور اگر تم انھین کا بھلا کرو، جو تمھارا بھلا کرتے ہین تو تمھارا کیا احسان ہے، کیونکہ گنہگار بھی ایسا ہی کرتے ہین..... تم اپنے دشمنون سے محبت رکھو اور بھلا کرو، اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو، جو تمھارا اجر بڑا ہوگا، اور تم خدا کے بیٹے ٹھہروگے، کیونکہ وہ ناشکرون اور بدون پر بھی مہربان ہے، جیسا تمھارا باپ ہے ایسے ہی تم بھی رحم دل ہو، عیب جوئی نہ کرو، تمھاری بھی عیب جوئی نہ کی جائے گی، مجرم نہ ٹھہرؤ، تم بھی مجرم نہ ٹھہراے جاؤگے، خلاصی دو تم بھی خلاصی پاؤگے، دیا کرو تمھین بھی

دیا جائیگا، اچھا پیمانہ داب داب کر، اور ہلا ہلا کر اور لبریز کرکے تمھارے پلہ مین ڈالین گے،
کیونکہ جس پیمانہ سے تم ناپتے ہو اسی سے تمھارے لیے ناپا جائیگا[۱]"

کیا مسیحی اقوام کے طرز عمل کو اس تعلیم سے کوئی ادنی مناسبت بھی ہی؟

مسیحی اقوام شاید اس خیال مین ہین کہ فتوحات ملکی انھین صراط مستقیم کے قریب لا
آئین گی، لیکن ان کے خدا کا فرمان یہ ہے، کہ خدا کی بادشاہت ظاہری طور پر کبھی نہ آئیگی
جسے مکان وجہت کے مادی قیود سے متعین کرکے بتایا جاسکے گا، بلکہ وہ محض باطنی بادشاہت
ہے، جو نفوس انسانی کے اندر اس وقت بھی موجود ہے[۲]،

موجودہ متمدن دنیا مین خودداری کا جو مفہوم شائع ہے، اسکے لحاظ سے یہ واقعہ
کسقدر عجیب ہے، کہ جو لوگ حضرت مسیح پر ایمان لے آے تھے، بلکہ جو موجودہ مسیحیون کے بقول
انھین خدا سمجھتے تھے، خود حضرت مسیح اپنے ہاتھون سے ان کے پیر دھوتے تھے،
اور انھین رومال سے پونچھتے تھے[۳]، یہ طرز عمل "خدا" کا بندون کے ساتھ تھا، لیکن کیا
اسوقت بندے خدا کے مقابلہ مین بھی اسی فروتنی وانکسار کے استعمال پر آمادہ ہین؟

آج جو قومین اپنی عظمت کی تلاش ادعا و تعلی، خود بینی و خودنمائی مین کر رہی ہین
ان کے کان اس پیام ربانی کی طرف سے بہرے ہین، کہ

"جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائیگا وہ چھوٹا کیا جائیگا اور جو اپنے آپ کو چھوٹا بنائیگا
وہ بڑا کیا جائے گا[۴]،

---

[۱] لوقا باب ۶، [۲] لوقا باب ۱۷، [۳] یوحنا باب ۱۳، [۴] لوقا باب ۱۴،

جسوقت حضرت مسیح کو سرکاری پیادون نے حملہ کرکے گرفتار کیا ہی، اسوقت ایک حواری سے نہ ضبط ہوسکا، اور اس نے حملہ آورون مین سے ایک پر وار کرہی دیا، لیکن رحم و رافت، عفو و حلم کے مظہر ربانی نے اسوقت فوراً اپنے جان نثار کو سرزنش کی کہ

" اپنی تلوار میان مین کر، کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہین، وہ سب تلوار سے ہلاک کیے جائینگے"

اگر جرمنی و انگلستان، روس، فرانس، آسٹریا و اٹلی، قدیم رومہ و جدید امریکا کے کلیسا بھی اس پیام امن کی منادی ہوتی رہتی، تو آج دنیا کی تاریخ کسقدر مختلف ہوتی! رومی تاجدارون کی سفاکیان اور انکے زمانے کے مناظر سیاسی، شاہان روس کی خون آشامیان، نپولین کی خونریزیان، انقلاب فرانس کے شدائد تیرہوین صدی عیسوی کے محاربات صلیبی انگریزی حکومت کی جوع الارض انارکزم کی شریعت قتل و غارت، ہٹلرون بلوون اور بغاوتون کا تسلسل بالشویکون کی ستم آرائیان، اور گزشتہ عالم گیر جنگ کی حشر انگیزیان، ان مین سے کسی شے کا بھی وجود ہوتا؟ لیکن شاید فطرت کو یہ منظور نہ تھا، کہ دنیا جنت بن جائے، کہ پھر اس صورت مین جنت کی تمنا ہی کس کو رہ جاتی ؟

ان تصریحات کے بعد اور مسیحیون کے اس طرز عمل کو پیش نظر رکھکر جو مسیحیت کے سرتاسر منافی ہے، اگر روح اللہ کی روح سے آج یہ صدا آرہی ہو تو کیا عجب ہے کہ

" یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے لیکن انکا دل مجھ سے دور ہے؛ اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہین" (مرقس باب ۷)

باب

اسلام اور امن

مسیحیت کے جو احکام امن سے متعلق ہین، انکی تصریح گزر چکی، لیکن اُس مذہب کی اِس باب مین کیا تعلیم ہے، جسکے پیرودون کی تعداد کہا جاتا ہے کہ دنیا مین اسوقت تیس کرور ہے، جسکا نام "عقلائے یورپ" نے مذہب شمشیر رکھا ہے، جسکے متعلق دانایان فرنگ کا دعویٰ ہے کہ وہ قتل وخونریزی کا معلّم ہے اور جسکے یہان جہاد ایک فریضۂ مذہبی کی حیثیت رکھتا ہے، جس امت کے پیمبر نے بارہا خود جہاد کیا ہو، جس شریعت نے مقاتلۂ کفار کو وسیلۂ جنت بتایا ہو، جس مذہب نے غزا کو اعمال حسنہ مین سب سے اونچے درجہ پر رکھا ہو، ایسے مذہب اور ایسی شریعت سے بھلا تائید امن و آشتی کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اسکے ہان تو قدم قدم پر جدال وقتال، کشت وخون کی تاکید ملیگی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی مذہب نے امن وامان کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے، اور مستقل و پایدار حالت امن کے اسباب وبواعث کے بہم پہنچنے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، تو وہ اسلام ہی ہے، اس مین شبہہ نہین کہ قیام امن کی تاکید اپنے اپنے پیرؤن پر دنیا کے ہر مذہب نے رکھی ہے، لیکن اسلام کی فضیلت مخصوص یہ ہے کہ اس نے جس اہتمام کے ساتھ اس مقصد کے حصول پر زور دیا ہے، جس تفصیل و وضاحت کے ساتھ اسکے تدابیر و ذرائع بیان کیے ہین، اور جس جامعیت کے ساتھ اسکے موجبات موانع

پر نظر کی ہے، اسکی نظیر سے دنیا کا مذہبی لٹریچر خالی ہی،

اوپر کے کسی باب مین دکھایا جاچکا ہے کہ دنیا کے سارے اختلافات و مناقشات کی بنیاد انسان کے جذبۂ خودی پر ہے، جسکے باعث ایک کو دوسرے سے مغایرت پیدا ہوتی ہے، اور یہی رفتہ رفتہ مخالفت بلکہ منافرت کی شکل اختیار کرلیتی ہے، اس زہر کا سب سے بڑا تریاق عقیدہ توحید ہو یعنی اگر انسان کو دوسرون سے کوئی اصولی اختلاف نہ نظر آئے، وہ اپنے کو تمام موجودات سے متحد سمجھنے لگے، اور بجائے کثرت و تعدد کے اسے ہرطرف وحدت ہی کی جلوہ آرائیان نظر آنے لگین، تو عداوت بلکہ مغائرت و اجنبیت تک کا جذبہ اسکے دل سے محو ہو جائے، اور کائنات مین ہر سمت امن و آشتی کی منادی ہو جائے،

اسلام کا اصلی کارنامہ یہ ہے کہ اسنے اپنے نظام عقاید مین بلند ترین مرتبہ اسی عقیدۂ توحید کو دیا ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسلام کا مقصدِ حقیقی صرف منادیٔ توحید ہے، باقی اور تمام مسایل ضمناً و فرعاً آگئے ہین، مخالفین تک کو یہ تسلیم ہے کہ عقیدۂ توحید جس مکمل صورت مین اسلام مین ملتا ہے، اور کہین نہین ملتا اگر وہ تمام آیات قرآنی، جن مین توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت ہے یکجا کی جائین تو ایک اچھی خاصی ضخامت کی مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے، خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ تمام کائنات کی اصل خدا، اور صرف خدا ہی اور اسکے سوا اور کسی ہستی کی جانب خلق، امر، یا وجود حقیقی کا انتساب کرنا شرک ہی،

جن لوگون کا عقیدہ توحید راسخ ہے، جو لوگ اس پر اعتقاد رکھتے ہین کہ ہستی مطلق انسان کی رگِ جان سے بھی قریب[1] تر ہی

[1] نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

جو اشخاص اس پر یقین رکھتے ہین کہ موجودات کے ذرہ ذرہ کا مبدا و مرجع صرف وہی ذات واجب الوجود ہی[1-4] ہے جن افراد کو اس کا اذعان ہے، کہ ہر شے کی ابتدا و انتہا ظاہر و باطن سب خدا ہی ہے[5]، جن نفوس کا اس پر ایمان ہے کہ جملہ حوادث عالم محض مشیت باری ہی کے مختلف مظاہر و شئون ہین[6]، اور جو لوگ اسکے قایل ہین کہ کفر و ایمان دونون کا خالق ایک ہی ہے[7] بہلا وہ کبھی اور کسی حالت مین بھی کسی سے عداوت و منافرت کا جذبہ از راہ نفسانیت رکھ سکتے ہین؟ اگر کسی صنعت کی تنقیص کرنا صانع کی منقصت کی مستلزم ہے، تو مخلوقات مین سے کسی کی عیب جوئی کرنا بدرجہ اولی اسکے خالق کی کھلی ہوئی توہین و تنقیص ہوگی

پھر قرآن نے صرف روحانی اتحاد اصل و اشتراک پر بس نہین کی، بلکہ تصریح کے ساتھ یہ بھی کہدیا کہ جسمانی و مادی حیثیت سے تمام نسل انسانی ایک ہی خاندان کی ہے، سب کے والدین ایک ہی ہین، اور آج دنیا مین جو مختلف جماعات و قبایل نظر آرہے ہین، سو یہ تقسیم صرف اسلیے ہی کہ باہم گر امتیاز و شناخت ہو سکے،

یا ایہا الناس انا خلقنکم من ذکر — اے انسانو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے
وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل — پیدا کیا اور تمہارے خاندان و قبایل بنائے تاکہ تم
لتعارفوا (حجرات - ع ۲) — ایک دوسرے سے پہچانے جاو،

اس اتحاد اصل و نسل کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد مغایرت و منافرت کا شائبہ تک

---

(۱) اِنَّہٗ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ، (۲) والیہ ترجع الامور (۳) وانا الیہ راجعون (۴) والیہ المصیر (۵) ھو الاول والآخر والظاہر والباطن، (۶) قل کل من عند اللہ (۷) ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن۔

نہین باقی رہ سکتا ہی،

شرک سے قطع نظر کرکے جو تمام تر ایک ذہنی و اعتقادی مسئلہ ہے، اعمال کی فہرست مین اسلام نے بدترین معصیت فتنہ و فساد کو قرار دیا ہے، قرآن مین اسکے یے شدید ترین وعیدین وارد ہوئی ہین، اور تکرار و تواتر کے ساتھ اس سے محترز رہنے کی تاکید آئی ہی، آیات ذیل ملاحظہ ہون،

الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون ہ (بقرہ رکوع ۳) جو لوگ خدا کا عہد ایک مرتبہ باندھ چکنے کے بعد توڑتے ہین اور خدا نے جن رشتون کے جوڑے رہنے کا حکم دیا ہے، انھین کاٹتے ہین، اور زمین پر فساد کرتے پھرتے ہین، وہی گھاٹے مین رہین گے۔

ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقرہ رکوع ۷، زمین پر فساد کرتے نہ پھرو،

واللہ لا یحب الفساد (بقرہ رکوع ۲۵) خدا فساد کو پسند نہین کرتا۔

واللہ لا یحب المفسدین (مائدہ رکوع ۹) خدا مفسدین کو دوست نہین رکھتا،

ولا تبغ الفساد فی الارض (قصص رکوع ۸) زمین مین فساد نہ پھیلاؤ،

یہ چند آیات نمونہ کے طور پر درج کی گئین، ورنہ اس مضمون کی کل آیات بیسیون کی تعداد مین موجود ہین،

اسلام نے صرف فتنہ و فساد کو معصیت کبریٰ قرار دینے پر اکتفا نہین کی، بلکہ جو

چیزین محرک فساد ہو سکتی تھین، سرے سے انھین کی جڑ کاٹ دی، دنیا مین جتنی محاربات برپا ہوتے رہتے ہین، عموماً انکے تہ مین حب جاہ، حب زر، حب اقتدار کے جذبات کام کرتے ہوتے ہین، جرمنی اسلیے اعلان جنگ کرتا ہی، کہ انگریزون کے بحری مقبوضات اسکے مقابلہ مین بہت زائد ہین، انگلستان اسلئے مصروف پیکار ہوتا ہے کہ جرمنی کی روز افزون طاقت سے اسے اپنی قوت کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے غرض اسی طرح اکثر جنگ کے پردہ مین مال و دولت کی طمع کام کرتی ہوتی ہے، اسلام نے اپنے پیرون کے سامنے جس فردوس عمل کا نقشہ پیش کیا ہے، اس مین "شجر ممنوعہ" اسی دنیوی مال و دولت کو قرار دیا ہے کہ جب اس مادی زندگی کی محبت ہی دل سے نکل جاے گی، تو مسابقت و مفاخرت کا از خود خاتمہ ہو جائے گا، قرآن نے صدہا مختلف پیراوین اور اسلوبون سے حیات دنیوی کی مذمت و منقصت کی ہے، اور اسکی بے ثباتی پر سطر سطر مین زور دیا ہے، مثلاً

زین للناس حب الشھوات من النساء	انسان کی فطرت ایسی ہی، کہ اسے مرغوبات دنیوی
والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب	(مثلاً) ازدواج و اولاد اور زر و سیم کے بڑے بڑے
والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام	ڈھیرون اور عمدہ گھوڑون اور مویشیون اور کھیتون
والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا	کے ساتھ دلبستگی ہوتی ہی حالانکہ یہ دنیوی زندگی
واللہ عندہ حسن المآب (آل عمران رکوع ۲)	عارضی فواید مین اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اسی اللہ کے ہان ہی
واعلموا انما اموالکم واولادکم	اور تو واقف ہو کہ تمھاری اولاد اور تمھارا مال تمھارے

فتنہ، (انفال رک ۳)	لیے فتنہ ہے،
یقوم انما ھذہ الحیوۃ الدنیا متاع	اے قوم یہ حیات دنیوی محض چند روزہ ہی اور مستقل
وان الاخرۃ ھی دار القرار (مومن رک ۵)	جگہ تو وہی آخرت ہی،
انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو (محمد رک ۴)	یہ حیات دنیوی تو محض ایک کھیل ہی،
وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو ولعب	یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے، اور
وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان (عنکبوت رک)	دار آخرت ہی کی زندگی اصل زندگی ہی،
اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو و	جانے رہو کہ حیات دنیوی بس یہی کھیل تماشا
زینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال	ظاہری طمطراق آپس مین ایک دوسرے پر فخر کرنا اور
والاولاد (حدید رک ۳)	ایک دوسرے سے بڑھکر مال واولاد کا خواستگار ہونا ہے،
زین للذین کفروا الحیوۃ	جو لوگ کافر ہین، انکی نظرون مین ہم نے حیات دنیوی کو
الدنیا (بقرہ ع ۲۶)	زینت دے رکھی ہی
وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور (آل عمران ۱۹۶)	دنیا کی زندگی بجز دھوکھے کی پونجی کے اور کچھ نہین،

ایک جگہ یہان تک کہہ دیا ہے کہ آسمانی بادشاہت صرف انھین لوگون کا حصہ ہے جو دنیوی حیثیت سے مسکین اور مادی کشمکش سے الگ رہتے ہین،

تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لایریدون	یہ آخرت کا گھر مخصوص انھین لوگون کے لیے ہے،
علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ	جو دنیا مین اپنی برتری کے خواہان نہین ہین اور
للمتقین (قصص رک ۹)	فساد نہین کرتے اور انجام بخیر تو پرہیزگارون ہی کے حصہ مین ہے

جس شریعت نے دنیا اور حیات دنیوی کا مرتبہ اسقدر پست رکھا ہے، وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اسکی روادار نہین ہوسکتی کہ اس پر ایمان رکھنے والی قوم، دولت وجاہ، سلطنت وحکومت، زر وزمین کے لیے تلوار ہاتھ مین لے،

ان تصریحات کے پہلو بہ پہلو قرآن نے بالواسطہ بھی نفس انسانی مین دنیا کی بے ثباتی اور دولت وحکومت کی بے حقیقتی کا نقش بٹھانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین ہونے دیا، فطرت بشری دوسرون کے عبرتناک انجام سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہے، قرآن مجید نے اس آلہ سے پوری طرح کام لیا، اور اقوام گزشتہ ومشاہیر افراد کے جتنے قصہ بیان کئے یہ نکتہ ان سب مین ملحوظ رکھا ہے، کہ ان کے سننے اور پڑہنے سے انسان کی مادی خواہشون اور تمناؤن، حرص وطمع، کبر وغرور کا زبردست دیو مغلوب ہو، قوم عاد وثمود، فرعون ونمرود ان سب کے واقعات مین یہ خصوصیت مشترک ہے، مثال کے طور پر ہم صرف ایک حکایت درج کرتے ہین، جو جاہ ودولت، زینت وامارت کے نقش برآب ہونے کی ایک بولتی ہوئی تصویر ہے، اور جسے بغور پڑھنے کے بعد ممکن نہین کہ بڑے سے بڑے ہوس پرست کا دل بھی کچھ دیر کے لیے متاثر نہ ہوجائے،

ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغی علیھم وآتینہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ	قارون موسیٰ کی قوم (بنی اسرائیل) مین ایک شخص تھا، پھر وہ ان پر ظلم کرنے لگا، اور ہم نے اسکو اسقدر خزانے دے رکھے تھے کہ کئی زور آور مرد اسکی کنجیان بہ مشکل اٹھا سکتے تھے،

اذ قال له قومه لا تفرح ان
الله لا يحب الفرحين وابتغ
فيما آتاك الله الدار الآخرة
ولا تنس نصيبك من الدنيا
واحسن كما احسن الله اليك
ولا تبغ الفساد في الارض ان
الله لا يحب المفسدين. قال
انما اوتيته على علم عندي
اولم يعلم ان الله قد اهلك
من قبله من القرون من هو اشد
منه قوة واكثر جمعا. ولا يسئل
عن ذنوبهم المجرمون فخرج على
قومه في زينته قال الذين يريدون
الحيوة الدنيا يليت
لنا مثل ما اوتي قارون
انه لذو حظ عظيم وقال
الذين اوتوا العلم ويلكم

ایک مرتبہ اسکی قوم کے بعض لوگون نے اس سے
کہا کہ اترایا مت کر، خدا اترانے والون کو
پسند نہین کرتا، اور یہ جو (ساز و سامان)
خدانے تجھے دے رکھا ہے اس مین سے کچھ آخرت
کے گھر کی بھی فکر کرتا رہ (البتہ) دنیا سے جو تیرا حصہ ہے
اسکو فراموش نہ کر، اور جس طرح خدا نے تیرے
ساتھ احسان کیا ہے، تو دوسرون کے ساتھ احسان
کرتا رہ اور ملک مین فساد کا خواہان نہو کہ خدا مفسدون کو
پسند نہین کرتا، اس نے جواب دیا کہ یہ (جاہ و ثروت)
تو مجھکو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، کیا قارون نے
(یہ کہتے وقت) یہ خیال نہ کیا کہ اس سے پہلے خدا اگلی امتون مین
ایسے ایسے لوگون کو ہلاک کر چکا ہے جو (بہ لحاظ جاہ و حشمت)
اس سے کہین زیادہ قوت رکھتے تھے، اور بہ لحاظ سرمایہ بھی اس سے
کہین بڑھے تھے اور گنہگارون سے سزا کے وقت پوچھ گچھ نہین کی
جایا کرتی، اسکے بعد ایک روز قارون اپنی شان و شوکت
کے ساتھ اپنی قوم والون کے سامنے نکلا، تو جو لوگ حیات دنیوی
کے طلبگار تھے (حسرت سے) کہنے لگے کہ جیسا کچھ ساز و سامان

ثواب اللہ خیر لمن امن وعمل صالحا ولا یلقٰھا الا الصبرون فخسفنا بہ وبدارہ الارض فما کان لہ من فئۃ ینصرونہ من دون اللہ وما کان من المنتصرین واصبح الذین تمنوا مکانہ بالامس یقولون ویکان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر لولا ان من اللہ علینا لخسف بنا ویکانہ لا یفلح الکافرون (قصص رک ۸)

قارون کے پاس ہے اے کاش ہمارے پاس بھی ہوتا، اسمین شک نہین کہ قارون بڑا ہی خوش قسمت ہے (البتہ) جن لوگون کو خدا کے ہان سے علم کی دولت دی گئی تھی وہ بولے کہ تمہاری سمجھ پر افسوس جو شخص ایمان لاتا اور عمل نیک کرتا رہا اسکا ثواب قارون کے مال دولت سے کہین بڑھکر ہے مگر وہ ثواب بجز صبر کرنے والون کے اور کسی کو نہین ملتا پھر ہم نے قارون اور اسکی کوٹھی کو زمین مین دہنسا دیا، اسوقت کوئی جماعت اسکی مدد کو نہ اٹھی اور نہ وہ خود اپنے تئین بچا سکا اور جو لوگ کل شام تک اسکی جگہ ہونے کی آرزو کرتے تھے وہ آج صبح کہنے لگے کہ ارے غضب خدا ہی اپنے بندون مین سے جسکی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جسکی چاہتا ہے محدود کر دیتا ہے اور اسکا کرم اگر ہم پر نہ ہوتا تو ہمکو بھی وہ قارون کی طرح دہنسا دیتا ارے غضب بات یہ ہے کہ ناشکر دنکو فلاح نصیب نہین ہوتی،

اس قسم کے عبرت انگیز حکایات وقصص کے بیان کرنے سے قرآن کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانون کے دلون پر مال وثروت کی بے حقیقتی کا گہرا نقش ثبت ہو، اور مادی شان وشوکت کی طرف سے انکی طبیعت از خود ہٹ جائے،

ایک مسلمان کو اپنے مخالفین کے ساتھ کیونکر پیش آنا چاہیے، عام دنیا کے ساتھ اسکا کیا سلوک رہنا چاہیے، اور اگر اغیار اسکے مذہب ومعتقدات پر اعتراض کرین تو انکے مقابلہ

ہیں اسے اپنا کیا طرز عمل رکھنا چاہیے، قرآن نے ان میں سے ہر سوال کا جواب تفصیل کے ساتھ دیا ہے، عفو و درگزر، حلم و تحمل، اور احسان عام کا اس سے بار بار حکم دیا ہے، صرف مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ کل دنیا کے مقابلہ میں جس میں کفار بھی شامل ہیں، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے

قولوا قولا حسنا ۵ بقرہ رک ۱۰ لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ،

یہ نہیں کہا کہ صرف مسلمانوں سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ،

ایک مقام پر جہاں نیک کار و فلاح یافتہ بندوں کے خصایل بیان کئے ہیں وہاں یہ ہے کہ

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین، (آل عمران رک ۱۴) وہ وہ لوگ ہیں جو غصہ کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کے قصور سے درگزر کرتے ہیں اور خدا احسان کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے،

یہاں بھی عفو و احسان کی ہدایت عام ہے، مومن و کافر کی کوئی تفریق نہیں نیک کاروں کی شناخت یہ بتائی گئی، کہ

یدرؤن بالحسنۃ السیئۃ (قصص رک ۶) وہ برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں،

اور جب بروں سے سابقہ پڑ جاتا ہے، تو بکمال حلم و رواداری ان سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں،

واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ و قالوا لنا اعمالنا ولکم وہ جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور ان سے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے

اعمالکم، (قصص رک ۶) اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ،

برائی کے جواب مین نرمی کرنا چاہیے،

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ (مومنون رک ۶) برائی کو نرمی کے ساتھ دور کرو،

خود سرور کائنات کو ہدایت ہو کہ،

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عفو کی عادت اختیار کرو اور نیکی کی تلقین کرتے رہو

عن الجاھلین، (اعراف رک ۲۴) اور جاہلون سے سابقہ پڑے تو کنارہ کش ہو جاؤ،

اہل کتاب سے مقابلہ کے وقت ہمیشہ بہ لطف و آشتی پیش آتے رہنا چاہیے،

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کرو، مگر اس صورت سے

ھی احسن (عنکبوت رک ۵) جو عمدہ و شائستہ ہو،

نیکون کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی ہے، کہ

اذا ما غضبوا ھم یغفرون (شوریٰ رک ۴) جب انکو غصہ آجاتا ہے تو درگزر سے کام لیتے ہین،

یہان بھی یہ قید نہین لگائی گئی ہے کہ صرف مسلمانون ہی کے مقابلہ مین درگزر سے کام لیتے ہین

تبلیغ دعوت کے وقت رسول اللہ صلعم کو یاد دلایا جاتا ہے،

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ لوگون کو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بلاؤ تو حکمت

الحسنۃ جادلھم بالتی ھی اور نیک نصایح کے ذریعہ سے، اور اگر بحث کرو تو شائستہ

احسن (نحل رک ۱۶) و پسندیدہ طریقہ سے،

برگزیدہ و مقبول خدا بندون کی بڑی پہچان یہ ہوتی ہے کہ،

یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلما (فرقان۔ رکوع ۶)

وہ زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہین، اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتین کرنے لگتے ہین تو وہ سلام کرکے الگ ہو جاتے ہین،

خالق ذوالجلال نے خود اپنی شان یہ بتائی ہے کہ

ورحمتی وسعت کل شئی (اعراف رکوع ۱۹) میری رحمت ہر شے پر محیط ہے،

یہ نہین فرمایا کہ میری رحمت فلان فرقہ کے ساتھ مخصوص و محدود ہے، اور چونکہ وہ خود رحمت مطلق ہے، اسلئے دنیا کے لیے یہ قاعدہ مقرر کیا ہی کہ

ان الحسنات یذھبن السیئات (ہود رکوع ۱۰) خوبیان برائیون کو دور کر دیتی ہین،

بہ الفاظ دیگر اپنے ابناے جنس کے نقائص و عیوب کے بجائے ان کی خوبیون پر نظر رکھو اپنے حبیب و محبوب پیمبر اسلام کا وصف کیا بیان کیا؟ رحمۃ العالمین یہان بھی وہی شان اطلاق و ہمہ گیری ہی، ساری عالم کے لیے رحمت، محض ایک گروہ کے لیے رحمت نہین۔

فرعون سے بڑھکر عصیان و طغیان کا مجسمہ دنیا مین اور کون گزرا ہے، جس نے انکار خدا ہی پر اکتفا نہ کی، بلکہ خود مدعی الوہیت ہو گیا، اور جیسے کچھ مظالم اپنی غریب رعایا پر کئے انکے رعشہ انگیز تذکرون سے قرآن لبریز ہے، اس پر بھی جب موسیٰ و ہارون اسکی فہمایش کے لیے بھیجے جاتے ہین تو ساتھ ہی یہ بھی ہدایت ہوتی ہی کہ

قولا لہ قولا لینا (طہ۔ رکوع ۲) اس سے گفتگو مین نرمی کرنا،

غور کرو، یہ ارشاد فرعون سے متعلق ہی، پھر آج کیا دنیا کا بدترین انسان بھی فرعون سے زیادہ سختی کا مستحق ہو سکتا ہی

حضرت مسیح کو جتنی تکلیف انکی امت نے دی، اس سے زیادہ اذیت کون امت کسی نبی کو پہنچا سکتی ہو، انتہا یہ ہے کہ خدا کے ساتھ انکی پرستش شروع کردی، بایں ہمہ جب قیامت مین ان باطل پرستون سے مواخذہ ہونے لگے گا، تو حضرت مسیح عذاب کی سفارش نہ کرین گے بلکہ عرض کرین گے، کہ

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم (مائدہ۔ رک ۱۶)	اگر تو ان پر عذاب کرنا چاہے تو یہ تیرے بندہ ہین (تجھے اختیار ہے) اور اگر بخش دینا چاہے تو تو ہی سب پر غالب اور حکمت والا ہی،

کفار و مشرکین سے گفتگو کے وقت اسکی تاکید آئی ہے، کہ انکے مقابلہ مین درشتی سے نہ کام لیا جائے، ورنہ وہ بھی بدزبانی سے کام لین گے،

ولاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیرعلم، (انعام۔ رک ۱۳)	جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبود ان کو بلاتے ہین انکو برا نہ کہو، ورنہ وہ بھی اپنی نادانی سے ناحق خدا کو برا کہہ اٹھین گے،

پھر یہ بھی ممکن ہے، کہ انسان جس کسی کو گمراہ، بدعقیدہ، بداعمال سمجھتا ہے، اس کی بابت زبان سے تو کچھ نہ کہے تاہم دل مین اس کے متعلق سخت ترین مخالفانہ و دشمنانہ جذبات رکھے خدائے اسلام کی حکمت کاملہ نے سرے سے اس تخیل ہی کی جڑ کاٹ دی ہے قرآن مین باربار تصریح آتی ہی کہ ہدایت و ضلالت کا فیصلہ کرنے والے تم نہین، ہم ہین۔ یہ کہنے کا حق کہ فلان شخص گمراہ ہی علام الغیوب و دانندۂ اسرار ہی کو ہے۔ بندون

کو نہین، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

ان ربکم ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ	تمہارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ گمراہ کون ہے
وھو اعلم بالمھتدین (قلم - ع ۱)	اور راہ حق پر کون کون ہین -

دوسری جگہ فرمایا،

ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن	اس کا علم تمہارے پروردگار ہی کو ہے کہ راہ ضلالت
سبیلہ وھو اعلم بمن اھتدی (نجم ۲۶)	پر کون ہے اور راہ حق پر کون -

ایک اور مقام پر تصریح ہے -

قل کل یعمل علی شاکلتہ ربکم اعلم	کہدو کہ ہر شخص اپنے اپنے طور پر عمل کرتا ہے اور اسکا علم
بمن ھو اھدی سبیلا (بنی اسرائیل ع ۹)	تمہارے پروردگار ہی کو ہے کہ راہ راست پر کون ہے -

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ حلم و تحمل، عفو و درگذر، رافت و رحمت کی تعلیم اور شورش، و فساد - تعلی و خود بینی - منافرت و بدامنی کے جذبات کو مٹانے مین قرآن نے کسی دوسری مذہبی کتاب سے کچھ بھی کم حصہ لیا ہے -

یہان تک جو کچھ اسلام کی تعلیمات درج کی گئین وہ براہ راست قرآن مجید کے احکام تھے - اس لیے کہ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکا اتباع مسلمانون کی ہر جماعت و ہر فرد، خواہ وہ برائے نام ہی مسلمان ہو، اپنے اوپر فرض سمجھتی ہے مطالب بالا کی توضیح و تائید مین چند احادیث بھی درج کی جاتی ہین جن سے صاف نظر آجائیگا کہ جن بدنصیبون نے رحمت عالم کو (نعوذ باللہ) خونخواری و سفاکی کا لباس پہنا کر دنیا کے سامنے

پیش کیا ہے، انھون نے دیانت و راست گوئی کا کس قدر خون کیا ہی:

سب وشتم و بدزبانی کی ممانعت،

۱ عن ابن مسعود، قال قال رسول الله صلعم لیس المومن بطعان ولا فاحش ولا بذی ترمذی	ابن مسعود سے روایت ہی کہ رسول خدا نے فرمایا کہ طعن کرنیوالا فحش بکنے والا اور بدزبانی کرنے والا شخص کامل مومن نہین،
۲ عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلعم لا یکون اللعانون شفعاء یوم القیمہ ولا شہداء (مسلم)	ابودرداء سے روایت ہی کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جو لوگ لعنت کرتے رہتے ہین، انکی شہادت وشفاعت قیامت مین مقبول نہوگی،
۳ عن ابی هریرة قال قیل یا رسول الله ادع الله علی المشرکین والعنهم فقال انما بعثت رحمة ولم ابعث لعاناً (مسلم)	ابوہریرہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ مشرکون کے لیے بد دعا کیجیے اور لعنت بھیجیے، آپ نے جواب دیا کہ مین تو صرف رحمت کیلئے بھیجا گیا ہون نہ اسلیے کہ لوگون کو بد دعا اور لعنت کرون،

یہ آخری حدیث خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے، جس مین تصریح موجود ہے کہ رحمت عالم نے اپنی رحمت کی وسیع دامانی سے مشرکین تک کو محروم نہین رکھا ہی،

حلم وتحمل،

۱ عن ابن مسعود قال قال رسول الله	ابن مسعود سی روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تم پہلوان کس کو

۱ صلعم ما تعدون الصرعة فيكم قالوا الذی لا تصرعه الرجال قال لا ولكنه الذی يملك نفسه عند الغضب (مسلم)

قرار دیتے ہو، اصحاب نے کہا وہ جسکو دوسرے اشخاص نہ پچھاڑ سکین آپنے فرمایا نہین بلکہ پہلوان وہ ہی جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے،

۲ عن ابی هريرة ان رجل قال يا رسول الله صلعم اوصينی ولا تكثر علی لعلی لا انسی قال لا تغضب، (بخاری)

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت سے عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت کیجے، مگر زیادہ نہ فرمائیگا کہ مین بھول جاؤنگا، آپنے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر،

نرمی و رحم دلی

۱ عن عايشة عن النبیؐ قال ان الله رفيق يحب الرفق ويعطی علی الرفق ما لا يعطی علی العنف وما لا يعطی علی ما سواه (مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ نرم ہے اسلیے نرمی کو پسند کرتا ہی اور جو کچھ نرمی پر دیتا ہی وہ سختی پر نہین دیتا، نہ اسکے علاوہ اور کسی شی پر دیتا ہی،

۲ عن عبد الله بن عمر قال سمعت رسول الله يقول الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض يرحمكم من فی السماء (ابوداود)

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہی کہ آنحضرت نے فرمایا کہ رحم والونپر خدای رحمن رحم کرتا ہے پس زمین والون پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کریگا،

۳ عن اسامه بن زيد عن رسول الله صلعم قال انما يرحم الله من عباده الرحماء، بخاری

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندون مین انھین پر رحم کرتا ہی جو رحم دل ہین ۵

احادیث بالا مین تم نے یہ قید نہین پائی کہ نرمی و رحم دلی کا دایرہ صرف اپنے ہم مذہبون تک

محدود رکھنا چاہیے،

عفو و درگزر،

۱ عن انس عن رسول اللہ صلعم انہ قال	انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سب سے بڑی
افضل الفضائل ان تصل من قطعک	فضیلت یہ ہے کہ اس سے رشتہ محبت جوڑو جو اس سے قطع کرے،
وتعطی من منعک وتصفح من شتمک	اسکو عطا کرو جو تمہیں نہ عطا کرے اور اسے معاف کرو جو تم کو گالی دے
۲ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلعم	حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انتقام پسند
لا تکونوا امعۃ تقولون ان احسن الناس	ہو کر یہ نہ کہو، کہ جو ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرینگے ہم انکے ساتھ
احسنا وان ظلموا ظلمنا ولکن وطنوا	اچھا سلوک کرینگے اور جو ہمارے ساتھ ظلم کرینگے ہم ان کیساتھ
انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا	ظلم کرینگے بلکہ اپنے نفوس کو اسکا خوگر کرو کہ اگر دوسرے اچھائی کرین
وان اساؤ فلا تظلموا (ترمذی)	تو تم بھی اچھائی کرو اور اگر وہ برائی کرین تو تم ظلم نہ کرو،

مثال کے طور پر ان چند حدیثون پر اکتفا کیا گیا، ورنہ کتب حدیث اس قسم کے ارشادات سے لبریز ہین، جو سرتاسر درس حلم وعفو ہین، ان کے علاوہ متعدد احادیث ایسی بھی منقول ہین جن مین انسان سے گذر کر حیوانات تک پر شفقت رکھنے کی تاکید آئی ہی، اور ان پر سختی وتشدد کو معصیت قرار دیا گیا ہی،

جس شریعت کی یہ تعلیمات ہون جس مذہب کے یہ احکام ہون، اور جس نبی برحق کے یہ ارشادات ہون کسکو اسمین شبہ ہو سکتا ہے کہ اس شریعت کا وجود دنیا کے لیئے پیام امن، اس مذہب کا حدوث عالم کیلئے مایہ برکت، اور اس نبی کا ظہور کائنات کیلئے ایک رحمت ہے،

باب

اسلام اور صبر

امتداد زمانہ صورت موجودات کو اکثر اس درجہ مسخ کر دیتا ہے کہ غیر تو کیا خود اپنے تئین شناخت کرنا دشوار ہو جاتا ہے، انسان جوان ہو کر جب اپنے زمانہ شیر خوارگی کی تصویر دیکھتا ہے تو اپنے ماضی و حال کے درمیان کوئی مناسبت پاتا ہے؟ ایک ہشتاد سالہ پیر زال جب اپنے چہرہ کی جھریون کا عکس آئینہ مین دیکھتی ہے تو اسے یہ باور کرنا کس قدر دشوار ہو جاتا ہی کہ یہی چہرہ ایک زمانہ مین رونق و تازگی، حسن و دلربائی و دلکشی کا نگارخانہ تھا؟ ایک کہنہ مشق شاعر جب اپنی نوعمری کا کلام دیکھتا ہے تو مشکل سے اسے اپنا یقین کرتا ہی،

یہی حال اقوام کا ہے، یونان کی آج جو دماغی سطح ہے، اسکے لحاظ سے کیونکر یقین آسکتا ہے، کہ ہومر، سوفوکلیز، بقراط و جالینوس، سقراط و فیثا غورث، فلاطون و ارسطو اسی سرزمین سے اٹھے تھے۔ ایران کی موجودہ سیاسی پستی و انحطاط کو دیکھکر کسی کے وہم و گمان مین بھی یہ آسکتا ہے، کہ خسرو و قباد، دارا و جم، اسی خاک سے پیدا وار تھے؟ جاپان کو اسوقت حصول جاہ و حشم و اکتساب ثروت و امارت مین جو انہماک ہے، اسے گوتم بدھ کی تعلیم ترک دنیا و تزکیہ نفس سے کوئی بعید سے بعید بھی مناسبت ہی؟

تغیر و انقلاب کے اس عالمگیر قانون سے دنیائے اسلام بھی مستثنی نہین، اگر کسی طرح تعین سے پہلی صدی ہجری کے مسلمانون کو چودھوین صدی ہجری کے مسلمانون کے پہلو مین

لا کھڑا کرنا ممکن ہو، تو اوضاع و اطوار، اعمال و کردار، مراسم و شعایر، احساسات و عقاید، غرض ہر حیثیت سے آسمان و زمین کا فرق نظر آئیگا، یہان تک کہ بعض ایسے عناصر جنھین اسلام کی روح کہنا چاہیے، ان سے موجودہ مسلمان یکسر خالی نظر آئین گے۔

آج اگر کسی غیر مذہب و اقوام کے شخص سے سوال کیا جائے کہ ایک مسلمان کا اس کے ذہن مین کیا تصور ہے تو اسکے پاس صرف دو ہی جوابات ہونگے، یا تو وہ یہ کہے گا کہ مسلمان ایک وجود بے حس کا نام ہے، جو جمود و تعطل کا مجسمہ ہے جس مین کسی طرح کی حمیت، غیرت و خودداری کا وجود نہین، اور جو ہر وقت ادنی معاوضہ پر اپنی عزت نفس کے فروخت کرنے پر آمادہ رہتا ہے، اور یا پھر وہ یہ کہے گا کہ مسلمان ایک شعلۂ آتشین کا نام ہے، جس کا مشغلہ جدال و قتال ہے، اور جو دوسرون سے تعصب و عناد، نفرت و عداوت رکھنا اپنی سب سے بڑی عبادت سمجھتا ہے، گویا اغیار کے نزدیک ہر مسلمان اگر وہ محمد شاہ (رنگیلے) یا واجد علی شاہ کا ہمرنگ نہین، تو اپنی جگہ پر چنگیز یا ہلاکو ہے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اپنے پیروون کو ان دونون صورتون سے بالکل ہی الگ رہنے کی ہدایت کی ہے، ان مین سے شق اول پر گفتگو کرنا اور یہ دکھانا کہ اسلام تمامتر خودداری و غیرتمندی کی ایک دعوت ہے، ہماری موجودہ موضوع بیان سے خارج ہے، البتہ دیکھنے کی بات یہ ہے، کہ شق آخر الذکر کے متعلق اسلام کی کیا تصریحات ہین عام حلم و لینت عفو و درگزر، اور حسن سلوک کی بابت اسلام کی جو تعلیمات ہین، انکا ذکر باب گزشتہ مین آچکا ہے لیکن اگر ایک ظالم حکمران ہم پر تشدد کر رہا ہے، ایک بدکار شخص ہماری ایذا کے درپے

ہے، ایک دشمن ہماری جان و مال پر حملہ کر رہا ہے اسوقت اسلام کس طرزِ عمل کی ہدایت کرتا ہے
ایسے مواقع کے لیے اسلام کے احکام کیا ہین،

ان سوالات کے جواب مین اسلام نے ایک مختصر و جامع لفظ ارشاد فرمایا ہے اور وہ مختصر لفظ صبر ہے
قرآن بہ تاکید اپنے ماننے والون کو صبر کا حکم دیتا ہے،

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ (البقرہ رکوع ۵) صبر و نماز سے مدد چاہو،

خود صبر کرتے رہو اور دوسرون کو صبر کی تعلیم دو،

یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا (آل عمران رکوع ۲۰) اے ایمان لانے والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہو،

خدا انھین لوگون کو دوست رکھتا ہے جو صبر کرتے ہین

یا ایہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین (بقرہ ۱۹) اے ایمان والو صبر و نماز سے مدد چاہو، کیونکہ خدا صبر کرنے والون ہی کے ساتھ ہے۔

واللہ یحب الصابرین (آل عمران رکوع ۱۵) خدا صبر کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

فلاح و ہدایت پانے والے وہی لوگ ہین، جو صبر سے کام لیتے ہین،

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوٰۃ من ربھم و رحمۃ واولٰئک ھم المھتدون (البقرہ رکوع ۱۹) اے پیمبر! صابرین کو خوشخبری سنادو، جو مصیبت کے وقت کہتے ہین کہ ہم تو خدا ہی کے ہین اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہین، یہی وہ لوگ ہین جن پر انکے پروردگار کی عنایت و رحمت ہوگی اور یہی راہ ہدایت پر ہین

نیک لوگون کی پہچان یہ ہے کہ وہ

والصابرین فی الباساء والضراء و | مصیبت و تکلیف اور خوف کے وقت صبر کرنے
حین الباس ہ (البقرہ رکوع ۲۲) | والے ہین،

صبر کرنے والون کے لیے اجر بے حساب ہی،

انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب، | وہ صبر کرنیوالے ہی ہین جنھین بے حساب اجر ملے گا،

دشمنون کے مکاید سے محفوظ رکھنے والی شے صبر ہی ہے،

وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم | مسلمانو! اگر تم ان (دشمنون) کی ایذاؤن پر صبر ہی کام لیتے رہو
شیئاء (آل عمران رکوع ۱۲) | اور زیادتی سے بچے رہو تو انکا فریب تمھین کچھ نقصان نہین پہنچا سکتا

مخالفین کی ایذا رسانی سے طبعًا تکلیف ہوتی ہے، لیکن اس پر صبر کرنا بڑی ہمت
و مرتبہ کا کام ہے،

ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من | اے مسلمانو، تم اہل کتاب و مشرکین سے ضرور ایذا کی باتین
قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان | بھی بہت سی سنوگے، لیکن اگر صبر و پرہیزگاری سے کام
تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور آل عمران رکوع ۱۹ | لیتے رہو تو یہ بڑی ہمت کے کام ہین،

ایک دوسری جگہ ہے،

واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم | مصائب پر صبر کر، کہ صبر کرنا بڑی ہمت کا
الامور (لقمن رکوع ۲) | کام ہے

صبر کا انعام اسی مادی زندگی ہی مین مل جاتا ہے، اور جو لوگ مظالم پر صبر کرتے

رہتے ہین بالآخر وہی ظالمون کے ملک ومال پر حاکم ہو جاتے ہین،

واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون — جس زمین کو (زرخیزی) کی برکت ہم نے دی تھی، بالآخر اسکے
مشارق الارض ومغاربها التی بٰرکنا فیها — شرق وغرب کا مالک ہم نے اس قوم کو کر دیا جو (ظالم فرعون کے
وتمت کلمات ربک الحسنیٰ علیٰ بنی — ہان) کمزور سمجھی جاتی تھی اور پروردگار کا وعدۂ نیک اس
اسرائیل بما صبروا ۱ (اعراف رکوع ۱۶) — قوم کے حق مین پورا ہو کر رہا، اسلیے کہ انھون (مظالم پر) صبر سے کام لیا تھا،

صبر کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ دشمنی کو دوستی سے بدل دیتا ہے۔ انسان اگر کچھ عرصہ تک صبر سے کام لے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے کرتا رہے تو دشمن دوست بن جاینگے البتہ صبر سے کام لیتے رہنا بڑے درجہ کے لوگون کا کام ہی،

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک — برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو، تو تم دیکھ لوگے کہ تم سے جس
وبینه عداوۃ کانه ولی حمیم وما — شخص سے عداوت تھی وہ اب تمہارا دلسوز دوست
یلقٰها الا الذین صبروا وما یلقٰها — بن گیا ہی۔ یہ حسن مدارات کی توفیق انھین لوگون کو دی جاتی
الا ذو حظ عظیم (حٰم سجدہ۔ ع ۵) — ہے جو صبر سے کام لیتے رہتے ہین، اور جنکے بڑے نصیب ہین

فرعون کے جبر وظلم کی مثال دنیا آج پیدا نہین کرسکتی اسنے بالکل بلا قصور وبے سبب اولاد اسرائیل کے قتل عام کا حکم دیدیا تھا، با این ہمہ ایسے موقع پر بھی حضرت موسیٰ نے اسکے خلاف بغاوت نہین کی، اس سے جدال وقتال کے لیے علم جہاد نہین بلند کیا بلکہ

قال موسیٰ لقومه استعینوا باللہ — موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور صبر سے کام لیتے
واصبروا ان الارض للہ یورثها من یشاء — رہو یہ ملک تو سب اللہ ہی کا ہے اپنے بندون مین سے جسکو چاہیگا

من عبادہ والعاقبۃ للمتقین (اعراف رکوع ۱۵) — وارث بنا دیتا ہے اور انجام بخیر تو پرہیزگاروں ہی کا ہی

صبر سے کام لینا پیمبروں کا وصف رہا ہی،

واسمٰعیل وادریس وذاالکفل، کل من الصبرین ۔ (انبیاء رکوع ۶) — اسمٰعیل، اور ادریس، وذوالکفل یہ سب کے سب صابر بندوں میں ہوئے ہیں،

پیمبروں نے خود اپنی زبان سے اپنے اسی جوہر ممتاز کو پیش کیا ہے،

ولنصبرن علی ما اذیتمونا وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون، (ابراہیم رکوع ۲) — (پیمبروں کو جب بہت زیادہ ستایا گیا تو انھوں نے اپنی امتوں سے کہا) اب تک جیسی جیسی ایذائیں تم ہم کو پہنچاتے رہے ہو (ہم نے ان پر صبر کیا اور آیندہ بھی) ضرور ان پر صبر کرتے رہیں گے ... اور توکل کرنیوالوں کو خدا پر توکل رکھنا ہی چاہیے۔

حضرت ایوب نے انتہاے صبر سے کام لیا، تو انکی خاص مدح آئی، کہ

انا وجدنہ صابرا نعم العبد، (ص رکوع ۳) — ہم نے انکو بڑا صابر پایا اور وہ کیا ہی اچھے بندے تھے

حضرت یوسف کو باوجود ظاہری سامان کے فقدان کے جو مرتبہ حاصل ہوا، وہ انکے صبر کی وجہ سے ملا، چنانچہ، جب انکے بھائیوں کو تنبہ ہوا کہ وہ یوسف کے سامنے ہیں تو آپ نے فرمایا

قال انا یوسف وھذا اخی قد من اللہ علینا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین، (یوسف رکوع ۱۰) — کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی (ابن یامین) ہے ہم پر خدا نے بڑا فضل کیا اور جو کوئی خدا سے ڈرتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو خدا نیکی کرنیوالوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا

صبر مجبوری کے مرادف نہیں، صبر کی تعریف یہ ہے کہ ظالم سے انتقام لینے کی قوت ہے

پھر بھی انتقام نہ لیا جائے، حضرت داؤد کا صبر اسی قسم کا تھا، کہ باوصف اسکے کہ اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کے مالک تھے، اور طیور و جمادات تک پر انکی حکومت قایم تھی، پھر بھی کفار کے مقابلہ مین بجائے اپنی قوت کے استعمال کے ضبط و تحمل سے کام لیتے تھے، پیمبر اسلام صلعم کو انکی نظیر پر خاص طور پر توجہ دلائی گئی،

اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید ..... الخ (ص رکوع ٢)

اے پیمبر جیسی جیسی باتین یہ لوگ کرتے ہین ان پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو باوجودیکہ ہر طرح قدرت رکھتے تھے

ابتدائے ظہور اسلام مین کفار نے ایذا رسانی کے جو جو طریقہ اختیار کئے تھے، ان کے تذکرون سے تاریخ اسلام لبریز ہے، ان پیہم شدائد پر پائے ضبط و قرار کو لغزش ہو جانا بالکل مقتضائے بشریت تھا، ان انتہائی مواقع پر بار بار اور تکرار کے ساتھ صبر کی تاکید ہوتی رہی مثلاً

فاصبر علی ما یقولون (طہ رکوع ٨)

اے پیمبر جیسی جیسی باتین یہ کافر کہتے ہین ان پر صبر کرو،

واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا (مزمل ۔ رکوع ٢)

انکی باتون پر صبر کرو اور ایک حسن اسلوب کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو،

واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون ، (نحل رکوع ١٦)

اے پیغمبر مخالفین کی ایذا پر صبر سے کام لو، جو بغیر توفیق الٰہی کے نہین ہو سکتا ان لوگون کی حالت پر غم نہ کرو اور جو چالین یہ لوگ تمھاری مخالفت مین سوچتے ہین انسے تنگ دل نہو، کیونکہ جو لوگ پرہیزگار ہین اور دوسرون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہتے ہین خدا انکا ساتھی ہے،

اخلاقی حیثیت سے نہایت نازک موقع وہ ہوتا ہے، جب دو مختلف فرائض مین اگر تصادم واقع ہو جاتا ہے اور فرض شناسی انسان کو متضاد سمتون مین کھینچتی ہے، مثلاً ایک طرف والدین کے ساتھ حسن سلوک اور انکی اطاعت کے لیے قرآن مین جابجا سخت تاکید آئی ہے، لیکن دوسری طرف اسلام نے شرک کو ایسا گناہ قرار دیا ہے، جو کسی حالت مین بھی قابل معافی نہین، اور جسکے مقابلہ مین تمام دیگر معاصی ہیچ ہین، اب فرض کرو والدین مشرک ہین، اور وہ اولاد کو اپنے عقیدہ کا پابند بنانا چاہتے ہین ایسی صورت مین اولاد کا کیا فرض ہونا چاہئے؟ ان کے فرمان کے آگے گردن ڈالدے؟ یا اُن کے خلاف علم بغاوت بلند کرے؟ اسلام نے ان دونون صورتون کو رد کرکے ایک تیسری صورت پیش کی ہے جس سے زیادہ قرین عدل واعتدال کوئی اور راستہ ممکن ہی نہین یعنی اس باب خاص مین ہرگز ان کی تعمیل ارشاد نہ کی جائے، باایں ہمہ تمام دوسری باتون مین انکا ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہئے، قرآن کے الفاظ بالکل واضح ہین،

ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھداک لتشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما، (عنکبوت - رک۱)

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا لیکن اگر وہ اسکے درپے ہون کہ تو کسی کو ہمارا شریک ٹھیرائے جسکے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہین تو اس ایک بات مین انکا کہنا ماننا،

دوسری جگہ اس سے بھی زاید توضیح ہے،

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ ہم نے انسان کو اسکے والدین کے حق مین تاکید کی کہ

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن وفصلہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک الی المصیر وان جاھدک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ (لقمن رکع ۲)	ہر حال مین انکا ادب ملحوظ رکھے) کہ اسکی ماں نے جھٹکے پر جھٹکے اٹھاکر اپنے پیٹ مین رکھا اور دو برس تک اسکی رضاعت کی پس ہم نے اسی حکم دیا کہ ہمارا بھی شکرگزار رہ اور اپنے والدین کا بھی کہ آخر کار ہماری ہی طرف سب کو واپس آنا ہے لیکن اگر تیرے والدین تجھکو مجبور کرین کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک بنائے جسکے لیے تیرے پاس کوئی دلیل نہین تو اس بات مین تو انکا کہا نہ ماننا لیکن دنیا مین سعادت مندانہ سلوک کیے جانا،

غور کرو شرک سے بڑھکر اسلام کی نظر مین قابل نفرت شے اور کون ہو سکتی ہے؟ اس پر بھی اگر والدین اسکے لیے مجبور کرتے ہین، تو انکے خلاف اعلان جنگ کر دینے کا حکم نہین ہوتا بلکہ یہ ہوتا ہے کہ گو اپنے عقیدہ پر استحکام و استقامت کے ساتھ قایم رہنا، والدین کے کہے مین آکر اپنے ایمان مین لغزش نہ پیدا کر دینا، تاہم ان سے لڑنے نہ لگنا، بلکہ انکے ساتھ حسن سلوک و رحق ومدارات برابر جاری رکھنا، جب یہ حکم شرک سے متعلق ہے تو اس سے کم درجہ کے معاصی کی بابت اسلام کی رواداری کا اندازہ ہو سکتا ہے،

کہہ سکتے ہو کہ والدین و اولاد کے باہمی تعلقات کی ایک استثنائی صورت ہے، اتنی رواداری ہر شخص کے مقابلہ مین نہین برتی جا سکتی لیکن چند سطرین اوپر صبر و تحمل سے متعلق جو کثیر التعداد آیات قرآنی نقل کی گئین، ان سب مین صبر و تحمل کی تعلیم، عام کفار و مشرکین ہی کے مقابلہ مین ہے، انھین برابر ذہن مین محفوظ رکھنا چاہیے،

پیمبرون کو انکی امتون نے کیسی کیسی شدید ایذائین پہنچائین، لیکن قرآن انکے مقابلہ مین
ان حضرات کے ضبط و تحمل کی کسقدر داد دیتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب لوگون نے
بہت ستایا اور انھون نے دعا کے لیے ہاتھ اوٹھائے تو یہ نہین کہا کہ میرے مخالفین سب
غارت و ہلاک کر دیے جائین، بلکہ کہا تو یہ کہا، کہ

فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی — جس نے میری پیروی کی، وہ میرا ہی اور جس نے میری نافرمانی
فانک غفور رحیم ، (ابراہیم رکوع ٦) — کی تو اے خدا تو بخشنے والا مہربان ہے،

یہ ابراہیم کون ہ؟ وہ جنکی ملت ابراہیمی ہی کا دوسرا نام اسلام ہے، جنکے حسن عمل پر قرآن نے
سب پیمبرون سے زیادہ توجہ دلائی ہے، اور جنکے طرز عمل کو قرآن نے اپنے پیروون کے سامنے
تصریح کے ساتھ بطور اسوۂ حسنہ کے پیش کیا ہی،

یہی طرز عمل رأفت مجسم حضرت مسیح کا بھی تھا، یہان تک کہ جب ان سے انکی امت کی
تثلیث پرستی کی بابت سوال ہوگا، تو اسوقت بھی انکی زبان سے بجاے کلمات غیظ و غضب کے
یہ الفاظ نکلین گے،

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم — اگر تو انھین عذاب دینا چاہتا ہی تو یہ تیرے ہی بندہ ہین
فانک انت العزیز الحکیم ۔ (مائدہ ۵ ، رکوع ١٦) — تجھے اختیار ہی اور اگر انھین بخشنا چاہتا ہی تو تو غالب او حکمت والا ہی

سب سے آخری بحث یہ ہے کہ باوجود انتہائی ضبط و تحمل، صبر و عفو سے کام لینے کے بھی
اگر کوئی شخص ناحق ہماری ایذا رسانی سے نہین بلکہ سرے سے ہماری جان ہی لینے کے درپے ہو
تو ایسی صورت مین دین حق کا کیا فتوی ہے؟ ایک شخص بالکل بلا قصور ہمارے قتل کرنے کو

تلوار اٹھا رہا ہے ہم گردن ڈالے دیتے ہین، اس سے بھی وہ متاثر نہین ہوتا، بلکہ وار کر ہی رہا ہے
اس آخری صورت مین تو یقیناً چارہ کار یہی ہوگا کہ ہم بھی حفاظت خود اختیاری کا کام قبضۂ
شمشیر سے لین، لیکن دیکھو خود پروردگار عالم کے ہان سے کیا فرمان صادر ہوتا ہے،

واتل علیهم نبأ ابنی آدم بالحق اذ قربا
قربانا فتقبل من احدهما ولم یتقبل
من الاخر قال لاقتلنک قال انما
یتقبل الله من المتقین لئن بسطت
الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی
الیک لاقتلک انی اخاف الله رب
العالمین انی ارید ان تبوء باثمی
واثمک فتکون من اصحب النار وذلک جزاء
الظالمین فطوعت له نفسه قتل اخیه
فقتله فاصبح من الخسرین،
مائدہ ۵، رکٹ،

اے پیغمبر ان لوگون کو آدم کے دو بیٹون کے واقعی حالات
پڑھکر سناؤ، کہ جب دونون نے نیاز مین چڑھائین تو ایک کی
قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو وہ مارے حسد کے
لگا کہنے کہ مین تجھکو قتل کر ڈالون گا اس نے جواب دیا کہ خدا تو
صرف پرہیزگارون کی نیاز قبول کرتا ہے اور اگر میرے قتل کیلیے
تو ہاتھ چلائیگا تو مین تجھے قتل کرنے کے لیے تجھپر ہاتھ چلانے والا
نہین کیونکہ مین خدا پروردگار عالم سے ڈرتا ہون، مین تو چاہتا
ہون، کہ تو میرا اور اپنا دونون کا گناہ سمیٹے اور دوزخیون مین
جا شامل ہو، کہ ظالمون کی یہی سزا ہے، اس پر اس (حاسد بھائی)
کے نفس نے اسکو اپنے بھائی کے قتل ہی پر آمادہ کیا چنانچہ آخر کار
اس نے قتل کر ہی ڈالا اور آپ ہی گھاٹے مین آگیا

خیال کرو قتل ناحق کی اس سے بڑھکر مثال دنیا اور کیا پیش کر سکتی ہے، دو برابر کے بھائی
ہین، دونون نذرین چڑھاتے ہین، ایک کی قبول ہو جاتی ہے، دوسرے کی نہین قبول ہوتی
بدکار بھائی حسد سے بیخود ہو کر نیک کار بھائی کو قتل کر ڈالنا چاہتا ہے، وہ بیچارہ چون تک

نہین کرتا، بلکہ صاف کہدیتا ہے کہ تمہین ہاتھ چلانے کا اختیار رہے، لیکن مین حفاظت خود اختیاری مین بھی ہاتھ نہین اٹھا نیکا، شقاوت مجسم بھائی کی آتش غضب اس غیر معمولی حلم سے بھی نہین سرد ہوتی ہے اور وہ قتل کرہی ڈالتا ہے، سعادت مجسم بھائی بلا تامل مقتول و مظلوم بننا گوارا کرلیتا ہے، لیکن معاوضۃً بھی اپنی انگلی نہین ہلاتا، بلکہ اس کا انصاف عادل حقیقی کے سپرد کرتا ہے[1]،

راہ سعادت پر اس استقامت، اس صبر و توکل، اس ایثار و سرفروشی سے بڑھکر کوئی مثال دنیا کے کسی مذہبی لٹریچر مین مل سکتی ہے؟

[1] اس آیت قرآنی کے ذیل مین ایک حدیث بھی نظر سے گذری ہے، جو دنیا کے موجودہ صورت واقعات سے اسقدر مطابق ہے، کہ بغیر اسے درج کیے رہا نہین جاتا، اصل حدیث کسی قدر طویل ہے، اسلیے یہان صرف اسکے ملخص ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے،

"ابو موسیٰ سے روایت ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت برپا ہونے سے پیشتر ایسے فتنہ و فساد برپا ہونگے کہ گویا شب تار کی ظلمت چھا جائے گی، یہان تک کہ جو شخص ان مین صبح کو مومن ہوگا وہ شام کو کافر ہو جائیگا، اور جو شام کو مومن ہوگا وہ صبح کو کافر ہو جائیگا اسوقت بیٹھا ہوا شخص بہتر ہوگا کھڑے ہونے والے سے، اور چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے، اسوقت اپنی کمانون کو توڑ ڈالنا، چلون کو کاٹ ڈالنا اور تلوارون کو پتھر پر دے مارنا (تاکہ بیکار ہو جائین) اسوقت اگر کوئی شخص تمھارے اوپر حملہ کر رہا ہو تو تمھین چاہیے کہ آدم کے دونون فرزندون سے بہتر کی تقلید کرو،

(ابو داود و ترمذی) باب الفتن

جو مذہب اپنے پیرو ون کے سامنے یہ بلند ترین، یہ حیرت انگیز نمونہ صبر و ایثار کے پیش کرتا ہے، اسکو چنگیز و ہلاکو کا مذہب سمجھنا کسی صحیح الحواس شخص کا کام ہو سکتا ہے،؟

آج ہندوستان مین مہاتما گاندھی کے اصول ستیاگرہ کی دھوم مچی ہوئی ہے اور اس مین شبہ نہین کہ یہ تحریک موجودہ دنیاے اخلاق، معاشرت و سیاسیات مین مفید ترین انقلابات پیدا کر سکتی ہے، لیکن کیا یہ تحریک جدید ہے،

اس مسلک کے عناصر ترکیبی جو خود مہاتما گاندھی نے بتائے ہین حسب ذیل ہین،

۱ حق پر پوری طرح استقامت ہو، دنیا کا کوئی خوف، کوئی طمع، کوئی توقع، کوئی اندیشہ کوئی رشوت، جادہ حق کی راہروی مین لغزش نہ پیدا کر سکے،

۲ اعمال مین درشتی، اقوال مین خشونت اور دل مین غیظ و غضب کا شائبہ تک نہ ہو،

۳ شداید پر برداشت پوری خندہ روئی اور کامل خلوص کے ساتھ کی جائے،

لیکن اسلام کی تعلیم جو اوپر بیان ہوئی، وہ کیا اس سے ایک ذرہ بھی مختلف ہے، اصل یہ ہے کہ آج جسے ستیاگرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے، اس کے لیے اسلام مین ایک جامع مختصر اصطلاح "صبر" کی ہے، جسکے تحت مین وہ پورا مطمح اخلاق آجاتا ہے، جسے آج ستیاگرہ کہتے ہین، اور یہ اصول آج کا پیدا کیا ہوا نہین، یہ وہ اصول ہے جسکی منادی پوری قوت و جامعیت کے ساتھ تیرہ سو برس پیشتر ہو چکی ہے، جسپر عملدرآمد کا ایک واضح ترین نمونہ تیرہ سال کے قیام مکہ مین اور تین برس کی مدت تک شعب ابو طالب مین محصور رہکر خود شہنشاہ کونین صلعم کی سیرت مبارک، جس پر حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم وغیرہ متعدد انبیاء کا عمل رہا ہے اور جس کا سب سے پہلا اور مکمل نمونہ

حضرت آدم کے سعید و رشید فرزند ہابیل نے اپنی جان دے کر پیش کیا تھا،

ان تصریحات کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ستیاگرہ (یا صبر) کی تعلیم دراصل اسی نغمۂ ازل کی ایک صدائے بازگشت ہے جو ابدالآباد سے مطرب فطرت کے ساز ہدایت سے نکل رہا ہے، اور گاندھی جی نے جام و صراحی اگرچہ جدید پیش کیا ہے لیکن یہ بادۂ دیرینہ ساقی کوثر ہی کا عطیہ ہے۔

ساقی بیا کہ عشق ندامی کند بلند
کانکس کہ گفت قصۂ ما ہم زما شنید

انکی صدائے صبر و عدم تشدد جو آج بعض کانوں کو نامانوس معلوم ہو رہی ہے، اسکا اصل باعث یہ ہے کہ ہم خود اپنے سے بیگانہ ہو چکے ہین۔

اس سے انکار نہین، کہ اسلام نے بعض مخصوص صورتون مین قتال کو نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دیا ہے۔ کلام مجید مین فضایل غزا و قتال بیسیون مقامات پر بیان ہوئے ہین، فرضیت قتال کی جابجا تصریحات ہین، سرور کائنات صلعم نے بنفس نفیس بارہا جہاد مین شرکت و رہنمائی فرمائی ہے، لیکن یہ احکام و فرائض ایسے مخصوص حالات سے متعلق ہین اور ایسے اہم و سخت شرایط سے مقید ہین، جنکا وجود مین آنا زمانہ موجودہ مین نہایت دشوار نظر آتا ہے۔ ان شرایط و حالات پر تفصیل سے گفتگو کرنے کا یہ موقع نہین، اشارةً تین اہم شرایط کا ذکر کافی ہوگا،

(۱) صبر و عدم تشدد کی تمام تدابیر استعمال مین آچکی ہون، اور سب کی ناکامی واضح ہو گئی ہو۔

(۲) حالتِ جنگ و انتقام مین بھی حدود و انصاف سو کسی طرح تجاوز نہ کیا جائے۔

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن۔ (بقرہ ع ۲۴)

(۳) قتال کا مقصد حصولِ جاہ و ملک نہو، بلکہ محض دفاع جور و ستم ہو۔

وَالْفِتْنَۃُ اشدّ من القتل ..... وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لا تکون فتنۃ (بقرہ ع ۲۴)۔

وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌ بِہٖ والمسجد الحرام واخراج اھلہ منہ اکبر عند اللّٰہ والفتنۃ اکبر من القتل (بقرہ ع ۲۷)

(۴) نیت مین نفسانیت و علو فی الارض نہ ہو بلکہ محض خدمتِ راہِ حق ہو

وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم

خلوص نیت اور خالصۃً اطاعت امر حق کی شرط اس زمانہ مین عنقا ہے۔ یہی وہ شرط ہی جو اسلامی جہاد دنیا اور دنیا کے عام جدال و قتال کے درمیان آسمان و زمین کی نسبت پیدا کیے ہوے ہے۔ اسی خصوصیت جہادِ اسلامی کی ترجمانی مولانا رومی رحنے جناب امیر علیہ السلام کی زبان سے ان الفاظ مین کی ہے سہ

گفت من تیغ از پئے حق می زنم	بندہ حقم نہ مامورِ تنم
من چو تیغم وان زنندہ آفتاب	ما رمیت اذ رمیت در حراب
من چو تیغم پر گہرہاے وصال	زندہ گردانم نہ کشتہ در قتال
بخل من للّٰہ عطا للّٰہ و بس	جملہ للّٰہ ام نیم من آن کس
تو نگاریدہ کف مولیستی	آن حقی کردہ من نیستی

نقش حق را ہم بامرِ حق شکن　　　　بر زجاجۂ دوست سنگِ دوست زن

(مثنوی دفتر اول، حکایت آخر)

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس مین ہر موقع اور ہر صورت کے مناسب الگ الگ احکام موجود ہین، بعض مخصوص مواقع وحالات بے شبہہ ایسے آپڑتے ہین، جن مین بجز قتال کے اور کوئی چارہ کار باقی نہین رہتا، اور جنکی تفصیل بجائے خود ایک مستقل تالیف کی محتاج ہے۔ لیکن دنیا کے عام حالات سے متعلق امن و صبر کے وہی احکام ہین جنکی تصریح اوراق بالا مین گذر چکی۔

ضمیمہ اوّل

اعداد نقصانات جنگ عظیم

گذشتہ جنگ یورپ مین کل دنیا نے جان و مال کا جس قدر نقصان اٹھایا، اس کے بابت صحیح اعداد اب تک کہین تیار نہین ہو سکے ہین، اور شاید تیار ہو سکتے بھی نہین، البتہ امریکہ کے بعض ماہرین علم الاعداد نے ان ممالک کے، جو براہ راست فریق جنگ تھے، مقتولین و مجروحین شدید کا ایک تخمینہ تیار کیا ہے، جس سے کل اتلاف جان و مال کے اندازہ کرنے مین کچھ مدد ملیگی، یہ واضح رہے، کہ فہرست ذیل مین مقتولین سے مراد صرف انھین نفوس سے ہے جنکی براہ راست ہلاکت کا قطعی علم ہو چکا ہے، مفقود الخبر وغیرہ اس عنوان مین شامل نہین، اور نہ وہ مرنے والے شامل ہین، جو اگرچہ جنگ مین براہ راست نہین کام آئے، تاہم ان کی موت و ہلاکت کا سبب اثرات جنگ ہی ہوئے، علیٰ ہذا مجروحین کی فہرست مین وہ لوگ داخل نہین، جن کے زخم نسبتہً خفیف سمجھے گئے، حالانکہ بہت بڑی تعداد انھین لوگون کی تھی۔ ان تصریحات سے معلوم ہوگا، کہ تخمینۂ ذیل تخمینۂ اقلیت ہے، اور مقتولین و مجروحین کی اصل تعداد اعداد ذیل سے نہ صرف زاید بلکہ بدرجہا زاید ہے:۔

فریق اوّل

ملک	مقتولین معلوم	مجروحین شدید
روس	۱۷۶۲۰۶۴	۱۰۰۰۰۰۰

فرانس	۱۴۲۷۸۰۰	۷۰۰۰۰۰
برطانیہ	۸۰۷۴۵۱	۶۱۷۷۴۰
سرویا	۷۰۷۲۴۳	۳۲۲۰۰۰
اٹلی	۵۰۷۱۶۰	۵۰۰۰۰
رومانیا	۳۳۹۱۱۷	۲۰۰۰۰۰
بلجیم	۲۶۷۰۰۰	۴۰۰۰۰
امریکہ	۱۱۷۱۵۱	۴۳۰۰۰
یونان	۱۵۰۰۰	۱۰۰۰۰
پرتگال	۴۰۰۰	۵۰۰۰
جاپان	۳۰۰	۴۰۰
میزان فریق اول	۵۹۵۴۳۸۶	۲۴۳۸۱۴۰
	فریق دوم	
جرمنی	۱۶۱۱۱۰۴	۱۶۰۰۰۰۰
آسٹریا	۹۱۱۰۰۰	۸۵۰۰۰۰
ٹرکی	۴۲۶۹۷۴	۱۰۷۷۷۲
بلگیریا	۱۱۰۱۲۲۴	۳۰۰۰۰۰
میزان فریق دوم	۳۰۶۰۳۰۲	۲۸۵۷۷۷۲

مجموعی میزان فریقین	مقتولین	٩٠١٤٦٨٨
	مجروحین شدید	٦٢٩٥٩١٢

نقشۂ بالا مین برطانیہ کے مقتولین کی تعداد ٨٠٧٤٥١ اور مجروحین شدید کی ٦١٧٧٤٠ دی گئی ہی لیکن خود برطانیہ کے سرکاری اعداد کے بموجب (جنکا اعلان ٢٥ مارچ ١٩٢١ء کو ایوان دارالعوام لندن مین کیا گیا) مقتولین کی تعداد بقدر ٦٠ ہزار کے زائد، یعنی ٨٦٧٩٥٥ اور کل مجروحین کی تعداد اعداد نقشہ بالا سے کئی گنی زائد یعنی ٢٠٩٠٩٨٩ تھی، یہ سرکاری اعداد بہ مقابلہ تخمینہ سابق الذکر کے بہرحال زیادہ مستند ہین۔

اسی طرح غالباً تخمینہ کے ہر عنوان مین نقصانات کو ہلکا ہی دکھایا گیا ہی، پس برطانیہ کی مثال پر قیاس کرکے کہہ سکتے ہین، کہ مقتولین و مجروحین جنگ کی کل میزان حقیقۃً اس سے بدرجہا زاید ہی، جتنی تخمینۂ بالا مین مندرج ہی،

یہ ان نقصانات جان کا اندازہ تھا، جو جنگ سے براہ راست وقوع مین آئے، باقی جنگ کے بالواسطہ جو اثرات مترتب ہوئے، مثلاً ہر ملک مین گرانی اشیاء، بعض خطون مین قحط، امراض وبائی، وغیرہ اور ان سے جس قدر اتلاف نفوس ہوا، اس کے اعداد ہر تخمینہ و اندازہ سے فزون تر ہین،

ایک محقق نے حساب کرکے یہ نتیجہ نکالا ہی، کہ انقلاب فرانس (١٧٨٩ء) سے لیکر جنگ بلقان (١٩١٣ء) تک سوا سو ١٢٥ برس کی مدت کے درمیان جتنے نفوس کل جنگون مین ہلاک ہوئے ہین، انکی دو چند سے زاید تعداد اس ساڑھے چار سال کے عرصہ مین جنگ

یورپ مین کام آئی ہی،

یہ اتلاف نفوس کا پہلو تھا، مالی نقصانات کے لحاظ سے مختلف ماہرین نے مختلف تخمینہ تیار کئے ہین، ذیل مین دو تین درج کئے جاتے ہین:۔

۱. پروفیسر بوگارٹ (الیوسی یونیورسٹی امریکہ)	۱۸۶۳۳۳۶۳۷۰۹۷	ڈالر
۲. مسٹر بکر (ایک امریکی محقق)	۱۹۷۰۰۰۰۰۰۰۰۰	”
۳. مسٹر اڈگر کرینڈ (ایک انگریز محقق)	۲۱۰۱۷۵۰۰۰۰۰۰	”

(ایک ڈالر تقریباً ۴¼ شلنگ کے مساوی ہوتا ہی)

تمام دنیا کا نظام معیشت جو جنگ کے بالواسطہ اثرات سے برباد ہوگیا، اسکے نقصان کو اعداد کے ذریعہ سے پیش کرنا کسی انسانی دماغ کے بس کی بات نہین،

ضمیمہ دوم

یورپ مین بے روزگاری

جنگ کے جو بالواسطہ اثرات نظام معیشت پر پڑے، ان کا ایک نمایان منظر یہ ہی، کہ کاروباری یورپ مین بے روزگاری کی ایک ہوا چل گئی، ہی، صدہا کارخانہ ٹوٹ گئے ہین، اور لکھوکہا مخلوق جسکا واحد ذریعۂ معاش ان کارخانون مین مزدوری کرنا تھی اب بالکل بے روزگار پھر رہے ہین، اور حکومت کے خلاف سخت سے سخت مظاہرہ کرتے رہتے ہین جنگ کی یہ ضرب سب سے سخت برطانیہ کے جسم پر پڑی ہی، اعداد ذیل سے، جسکا حساب یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو لگایا گیا، مختلف متمدن ممالک مین بے روزگار افراد کی تعداد کا اندازہ ہوگا۔

۱۔	ہالینڈ	۲۶۲۹۵
۲۔	سویڈن	۳۷۲۰۰
۳۔	سویزرلینڈ	۴۸۲۱۸
۴۔	فرانس	۱۱۸۵۶
۵۔	بلجیم	۲،۱۱۰
۶۔	جرمنی	۱۱۳۲۳.۱
۷۔	برطانیہ	۱۴۳۶۰۰۰

ہالینڈ، سویزرلینڈ، و سویڈن، شرکت جنگ سے الگ رہتے تھے، تاہم اختلال نظام معیشت کا اثر متعدی ہو کر ان تک بھی پہنچا۔

ضمیمہ سوم

مصارف تصفیہ صلح

ہماری زبان مین ایک مشہور کہاوت ہی "بیاہ کا پچھا بھاری"۔ اس کی پوری مصداق حالت بعد جنگ ہوتی ہی یعنی جب لڑنے اور لڑانے سے عاجز آ کر بازی سیاست کے نامور و آزمودہ کار کھلاڑی صلح کانفرنس کی گول میز پر بیٹھتے ہین، تو محض گفتگوئے مصالحت کے مصارف اتنے ہوتے ہین، کہ اگر انکا بار کسی ایک سلطنت پر پڑے، تو یقیناً رعایا پر ایک مخصوص ٹیکس اضافہ کرنے کی ضرورت پڑ جائے، چنانچہ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء مین پیرس مین جو صلح کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس کے مجموعی مصارف ۱۰،۴۷،۰۰۰ روپیہ (یعنی ایک کرور سے زائد) ہوئے اور پھر صلح کانفرنس ایک نہین ہوتی، کانفرنسون کا ایک پورا سلسلہ قائم رہتا ہی،

سنہ ۱۹۲۲ء مین مسٹر ہلٹن ینگ، سکریٹری خزانہ برطانیہ نے پارلیمنٹ مین بیان کیا، کہ مختلف کانفرنسون کے مصارف کا حسب ذیل حصہ رسدی برطانیہ کے حصہ مین پڑتا رہا ہی[1]:-

سین ریمو کانفرنس	(تقریباً)	۱۲۷۶۵	روپیہ
بولون	"	۵۶۲۵	
بروسیلز	"	۲۵۴۰۰	
لیین	"	۲۱۴۵	

[1] اصل حساب سکۂ انگریزی مین تھا، یہان شلنگ وغیرہ کو حذف کر کے صرف پاونڈون کو روپیہ مین تبدیل کر دیا گیا۔

لیکے کانفرنس	(تقریباً)	۲۰۸۵	روپیہ
پیرس (جنوری سنہ ۱۹۲۲ء) ″	″	۴۸۹۰	″
ہاتیھ	″	۱۳۲۷۰	″
پیرس (جنوری سنہ ۱۹۲۲ء)	″	۵۳۷۰	″

ع - پ
۴۱۷۳۲
آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

20/12/55			

ع۔پ

۱۷۲۶ء

عبد الماجد

پیام امن

۱۸

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس [illegible]

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ [illegible] کلیات [illegible]

۳۔ [illegible] طلبا [illegible]

۴۔ [illegible]

۵۔ [illegible] کتاب [illegible]

۶۔ [illegible]

۷۔ کتابوں [illegible]

۸۔ قلمی نسخے [illegible]